بیادگار:
حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

الحسن

پشاور

مدیر
سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

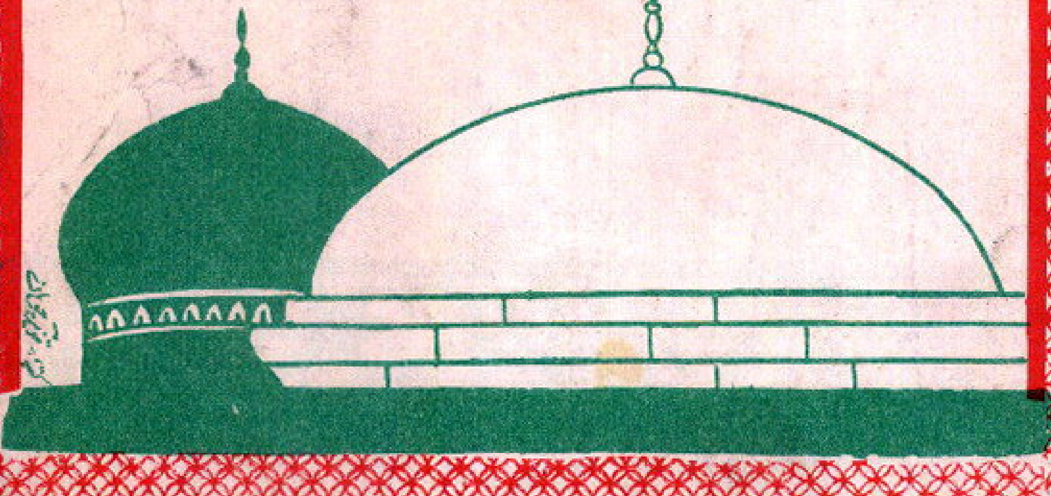

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایں بارگہ حضرت غوث الثقلین است

نقد کرم حیدر و نسلِ حسنین است

مادرش حسینی نسب است و پدر او

زِ اولادِ حسن یعنی کریم الابوین است

یادگار ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

الحسن

پشاور

مدیر
سید محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم
مفتی مشتاق احمد فاضل لکھنؤ

قیمت ایک روپیہ

جلد ۱ | یکم و ۱۵ ستمبر ۱۹۷۴ء | شمارہ ۱۲/۱۳

فہرست

۱-	قطعہ تاریخ وفات	ابوالظفر سید شریف احمد نوشاہی المتخلص بہ شرافت	۲
۲-	شذرات	مدیر	۳
۳-	تفسیر القرآن الحسنیہ	الحاج حافظ عبدالحمید صاحب فاضل دینیات	۵
۴-	اسنی المطالب فی نجات ابی طالب	علامہ زینی دحلان (ترجمہ از ادارہ)	۹
۵-	شرح قصیدہ بردہ شریف	الحاج حافظ عبدالحمید صاحب فاضل دینیات	۱۵
۶-	برکات رمضان المبارک	مولانا حامد حسن صاحب قادری کراچی	۱۸
۷-	رمضان المبارک	ماخوذ از دار الاحسان دعوۃ و تبلیغ الاسلام سالار والا لائلپور	۲۰
۸-	پیغام تعزیت	جناب محمد حنیف خان سپیکر سرحد اسمبلی	۲۳
۹-	تاثرات	جناب ارباب سیف الرحمٰن صاحب ڈپٹی سپیکر سرحد اسمبلی	۲۴
۱۰-	معرکہ حق و باطل یعنی جہاد بدر	مشتاق احمد صاحب صدیقی	۲۵
۱۱-	عید رمضان	پروفیسر محمد طاہر فاروقی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور	۲۹
۱۲-	ترک اللہ یعنی حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ	سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی مرحوم پشاور	۳۳
۱۳-	قطعات	سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی مرحوم پشاور	۳۹
۱۴-	غزل	تمہید الاسلام تمہید	۴۰

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے طابع نیو ایگل سٹیم پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر پندرہ روزہ "الحسن" یکہ توت پشاور سے شائع کیا

قطعۂ تاریخِ وفات

حضرت جناب سید نورُ احمد شاہ صاحب گیلانی۔ ساکن یکہ توت پشاور شہر

از نتیجۂ فکر: ابوالظفر سید شریف احمد نوشاہی المتخلص بہ شرافت

حضرتِ پیر نورُ احمد شاہ — سیدِ پاک عمدۃ العرفا
خاص اولادِ شاہ محمد غوث — آنکہ بود است اشرف الشرفا
رہنمائے جہان فخرِ دیار — صاحبِ حسنِ خُلق و جُود و سخا
صفدرِ مُلکِ دیں وحید العصر — جامع علم و فضل اہل تقا
در پشاور فیوض وے بسیار — بود شہبازِ اوجِ عزّ و علا
چوں ز دُنیائے دوں سفر ورزید — ساکن شد بجنّت الماوا

مصرعِ رحلتش شرافت گفت

داخلِ خُلد حاکمِ دانا

۱۳۹۴ھ

دیگر مادۂ تاریخ: "محمد بخدا پیوست"

شذرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمحۂ فکریہ!

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ اور مقدس دور کے بعد مسلمانوں کو آمریت نے آ گھیرا۔ اور اخلاق حسنہ، تعلیم اسلامی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو نورانی شمع حضور پاک شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن فرمائی اور پھر اسی روشنی کو کمال جد و جہد اور محنت کے ساتھ خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روشن تر کیا۔ ان کے بعد یہ نورانی روشنی پھر جاہلی تعصبات کی تاریکی میں گھر گئی۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر مصائب اور تکالیف کا دور آیا تو اس کی ایک ہی وجہ ہوتی۔ اور وہ یہ کہ مسلمان قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑ کر غیر مسلم نظریات، غیر مسلم تمدن، غیر مسلم تہذیب قبول کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں تشتت افتراق، بے اعتمادی، اور تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑتا۔ عریانی، فحاشی اور بے حیائی کو اپنا کر حیا، عصمت اور پاکیزگی کو خیرباد کر دیا۔ اسلامی آداب و شائستگی کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے دست بگریبان ہوئے۔ احترام و عزت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ عہد و پیمان کا کوئی پاس نہ رہا۔ مساوات اسلامی کو روند دیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مبارک مقصد ہی یہی تھا کہ ان منکرات کو ختم کیا جائے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ختم کر کے پاؤں کے نیچے روند دیا۔ ان

منکرات کے طوق انسانیت کے گلوں سے اتار دیئے ۔ ان جاہلی رسموں اور رواجوں کی بیڑیاں پاؤں سے کاٹ دیں ۔ مگر افسوس کہ آج پھر ہم ان ہی مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہیں ۔ آج پھر انتہائی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اعمال و اخلاق میں ایک مسلم اسلامی انقلاب لائیں ۔ تمام منکرات کو ترک کر کے اوامر الہٰی پر کاربند ہو جائیں ۔ ہماری زبان ہر وقت یاد الہٰی میں مصروف ہو ۔ ہمارا دل ہر وقت خوف الہٰی سے لرزاں ہو ۔ ہمارا اعتقاد و عمل سید دو عالم سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور فرمانبرداری کا بہترین نمونہ ہو ۔ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن عظیم ہو اور دوسرے میں سنت نبی کریم کی مشعل ہو ۔ ہم نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قیام اور برپا کرنے کے لئے متحد اور متفق ہوں ۔ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ہر سرکش اور باغی طاقت سے لڑ جائیں ۔

یہ وقت دین اسلام سے غفلت اور بے پرواہی کا نہیں ہے ۔ شمع اسلام کو بجھانے کے لئے چاروں طرف سے آندھیاں چل رہی ہیں ان تاریک آندھیوں سے اس نورانی شمع کو ہر ممکن طریقہ پر مسلمانوں نے محفوظ رکھنا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم متفق اور متحد ہو کر کمال بیدار مغزی کے ساتھ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نصب العین لیکر اور اپنے ہاتھوں میں گنبد خضرا کا سبز پرچم لیکر ہمت اور استقلال سے آگے بڑھیں ۔ انشاء اللہ دین اسلام ہی غالب رہیگا ۔ اور باقی سب ازم مغلوب ہوں گے ۔

(مدیر)

تفسیر القرآن الحسنیہ

مسلسل

ایمان کا تعلق قلب سے ہے جو کہ تمام بدن کا بادشاہ ہے اسی لئے تمام نیکیوں اور اعمالِ صالحہ کو حرکت دینے والی چیز ایمان ہے۔

بادشاہ کا درجہ رعیت پر ہر ایک کو معلوم ہے اور اعمالِ صالحہ اس کی رعیت ہیں۔ اس لئے مخبرِ صادق نے خبر دی ہے کہ ایمان والا جس کے عمل خراب ہوں گے ابدی جہنم سے محفوظ رہے گا۔ مزید تفصیل کے لئے یومنون بالغیب کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے گا۔ جو کہ گذر چکی ہے۔

پھر دوسرا درجہ نماز کو دیا۔ اس عمل صالح سے ذاتِ باری کی جناب میں حضوری اور اس کے دربار میں باریابی ہوتی ہے۔ چونکہ ہر امیر و غریب اس کو ادا کرتا ہے اور یہ عبادات کا خلاصہ ہے اس لئے اسے زکوٰۃ پر مقدم کیا۔ جو صرف ان پر واجب ہے جو صاحبِ نصاب ہوں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اعمالِ صالح میں سے روزہ کیوں مذکور نہ ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ کنایۃً تو روزہ آگیا۔ وہ اس لئے کہ جب تک نمازی پڑھتا رہتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ جماع کر سکتا ہے۔ دل اور زبان کو اسی کی یاد میں مشغول رکھتا ہے۔ جو اس کا خالق ہے۔ اور صوم کا مفصل ذکر دوسرے سیپارے میں آجائے گا۔ باقی امراد کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر آجائے گا۔

اب اس جملے کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔ ممن ما۔ من بعضیہ ہے جس کا مقصد یہ کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے تمام مال کو دے کر فقیر ہو جاؤ (خواہ صدقہ نفلی ہو یا فرضی) بلکہ صدقہ نفلی میں بعض حصہ اور فرضی میں مقررہ حصہ زکوٰۃ کا دے دو۔ گویا کنایۃً فضول خرچی سے بھی بچا دیا۔ کیونکہ انفاق کا محل فضول خرچی بھی ہو سکتا ہے تو فرمایا اپنے عیال کے لئے بھی حصہ رہنے دو۔

رزقنٰھم سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس سے دیتے ہیں جو کچھ ملا ہم سے ملا۔ جو کچھ کھاتے اور پیتے ہیں وہ سب ہمارا انعام ہے۔ پھر یہ بخل کیسا اور کس لئے۔ ہم جو چاہیں اور دے دیں۔ اور اگر چاہیں تو موجودہ نعمت بھی چھین لیں۔ ؎

تو شاہوں کو گدا کر دے گدا کو بادشاہ کر دے
اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے میں بڑھانے میں

انبیاءِ عظام اور اولیاءِ کرام کی تلقین کہ مال کے ساتھ ایسی محبت کہ وہ مال اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے باعثِ عذاب ہے اور وہ مرنے کے بعد سانپ اور بچھو بن کر یا آگ کی صورت اختیار کر کے وبالِ روح بن جاتا ہے۔

اس کی فلاسفی یہی ہے کہ کثرتِ محبت مانع زکوٰۃ صدقات رہی۔ مال پاک نہ رہا۔ طیب سے خبیث ہوا۔ طیب ہوتا رہتا ہے۔ مسکنِ روح بنتا ہے۔ خبیث ہوا باعث خبث اور خبث ظلمت ہے۔ اور ظلمت عذاب ہے۔ پس جہاں طیب باعثِ تسکین اور سرور ہے وہاں خباثت باعثِ وبال ہے۔

کسی نے کیا ہی خوب مثال دی ہے کہ زکوٰۃ ایک ہری بھری کھیتی کے لئے باڑ ہے۔ باڑ کا کیا کام ہے کھیتی کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اس کے بار آور ہونے میں وسعت دیتی ہے کیونکہ مویشی و چرند وغیرہ اس کے اندر جا کر اس کو پائمال کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ایک تو اس کا پھل محفوظ رہا۔ دوسرا اس میں اس کی استعداد کے مطابق وسعت دیتی ہوتی رہی پھر وہ اگر سال بہ سال کھیتی کے پکنے کے موقعہ پر باڑ کی تجدید کرے تو اعلیٰ نتائج پیدا ہوں۔

یہی مثال نفقہ کی ہے خواہ وہ نفلی ہو یا فرضی مال فنا ہونے سے بچ جائے گا۔ اور اس میں برکت ہوگی۔ اگر زکوٰۃ کی باڑ نہ لگائی گئی تو بظاہر یہ مال بڑھتا نظر آئے گا لیکن ایک دن مالک کو ساتھ لے کر ڈوبے گا۔ جیسا کہ قارون کے ساتھ ہوا جس کا ذکر بیسویں سیپارے میں آئے گا۔

یہاں ایک نکتہ کا کشف اسرار ہوگا۔ اور وہ یہ کہ مولانا روم صاحب اس باڑ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مادیات اور محسوسات کے دلدادہ انسان اس طرح کی ایک باڑ اپنے قلب کے ارد گرد لگا تاکہ ابلیس تیرے قلب کے خزائن اور دفائن کو نہ لوٹ سکے۔ وہ جگہ ایسی ہے جہاں تیرا مولا بستا ہے۔ (بے تکیف)

حدیث شریف کا مضمون ہے کہ میرا عرش اور میری زمین مجھ کو سمانے سے قاصر ہیں۔ اگر کوئی چیز مجھے سما سکتی ہے تو وہ مومن کا قلب ہے۔

رزق لغت میں عطا کا نام ہے اور عرف میں وہ چیز جس سے ذی روح فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ مفعول کی تقدیم فعل پر جو لازم ہوئی وہ ثابت کرتی ہے کہ یہ مضمون مہتم بالشان ہے

رزقنا میں صیغہ جمع متکلم اس لئے استعمال فرمایا کہ شاہان و سلاطین ماضی کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے لئے جمع کی ضمیر استعمال کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ مالک الملک اور ملک الملوک ہے۔ اگرچہ ذات واحد ہے۔ لاشریک ہے لیکن خطاب سے جبروت اور عظمت کا اظہار ہے۔ اور خطاب ملوک چار اسلوب پر ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت نے بلغاء و فصحاء عرب کی فصاحت و بلاغت کو مات کرنا تھا اس لئے مندرجہ ذیل چاروں اسلوب اور ضروب سے مختلف مواقع پر اس کا مسلمہ اظہار کیا ہے کہ یہ کلام معجز ہے۔

۱۔ صیغہ واحد متکلم ہے جیسا فعلت کذا میں نے ایسا کیا۔

۲۔ صیغہ جمع متکلم جیسے فعلنا کذا ہم نے ایسا کیا۔

۳۔ بصیغہ مجہول مثلاً رسم لکم کذا تمہارے لئے ایسا مقرر کیا گیا۔

۴۔ مغائبت جیسا امر کم سلطانکم بکذا تمہارے بادشاہ نے تمہارے لئے یہ حکم صادر کیا۔ اب ان کی مثالیں ان امثلہ سے بدرجہ ابلغ القرآن پاک میں اس طرح موجود ہیں:-

۱۔ بصیغہ واحد متکلم ذرنی ومن خلقت وحیداً

۲۔ بصیغہ جمع متکلم انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر کو لوح محفوظ سے سماء دنیا تک اتارا۔

۳۔ بصیغہ مجہول کتب علیکم الصیام روزے آپ پر فرض کئے گئے۔

۴۔ مغائبت اللہ الذی خلقکم اللہ تعالیٰ وہ ذات

ہے جس نے آپ سب کو پیدا کیا۔

حضرت شیخ اسماعیل حقی آفندی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ کامل سے سنا ہے کہ جن جن جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے نے اپنے واسطے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے وہاں ذات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذاتِ باری وحدہٗ لاشریک ہے۔ جیسا کہ آیۂ مذکورہ نمبر ۱ میں اور جہاں کہیں صیغہ جمع استعمال ہے وہاں اس کی صفات اور اسماء کی طرف اشارہ ہے۔ اور کثرت اسماء وصفات وحدت ذات کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک اسم باری اور ہر ایک صفت باری کا ذات باری کی طرف رجوع ہے۔ پس جماعت کے ساتھ تناقض نہ رہا۔ اور یاد رکھیے گا کہ انفاق اور انفاد دونوں بھائی ہیں۔ انفاد کے معنوں میں بالکل فنا کا مفہوم مضمر ہے اور پہلے میں یہ کیفیت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر مال کا کچھ حصہ راہِ خدا میں صرف نہ کروگے تو بالکل فنا ہو جائے گا۔

اگر انفاق کو جنس قرار دیا جائے تو زکوٰۃ، صدقہ، نفلی اور منت (نذور) اس کے انواع ہیں جو کہ مختلف الحقائق نہیں۔ اور بقول صاحب تفسیر روح البیان زکوٰۃ ان تینوں سے افضل ہے کیونکہ سنت کا ادا کرنا واجب ہے۔ نفل کا ادا کرنا مستحب اور فرض کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ اس لئے وارد کیا کہ وہ اس کی شقیقہ ہے (زہن) صانع حکیم نے اس جملے میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مال میں نے دیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ بلکہ یوں فرمایا کہ جو میری نعمتیں از قسم عطا ان کے پاس ہیں وہ اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

نعمت اور مال میں) پھر عموم و خصوص ہے۔ نعمت کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری نعمت تو ظاہری ہے اور ہر ایک کو معلوم ہے لیکن باطنی نعمت علم ہے ولایت ہے عرفان ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے باطنی خزانوں میں سے جو ہم نے ان کو عطا کئے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ انس بن مالک کا قول ہے اس کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ الدار ان یتخذ فیہا بیت للضیافۃ۔ مکان کی باطنی زکوٰۃ یہ ہے کہ مالک مکان گھر میں ایک کمرہ مہمانوں کی ضیافت کے لئے بنائے۔ اور اسی بنا پر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی شریف (جو کہ حقیقت میں قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔ فرماتے ہیں کہ انفاق اہل شریعت اموال سے ہے۔ اور انفاق ارباب حقیقت احوال سے ہے۔

آں دوم دادن سخی را لائق است
جاں سپردن خود سخائے عاشق است

(ترجمہ) سخی تو صرف اللہ کی راہ میں مال دیتا ہے لیکن عاشق اس کے راستے میں جان بھی دے دیتا ہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حب مصطفیٰ میں جان دینے سے دریغ نہیں کیا۔ اور رسول کی محبت خدا کی محبت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔

حضرت خبیب جلیل القدر صحابی تھے۔ جن کی داستان خونچکاں بخاری شریف میں موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی حقانیت اور تحفظِ اسلام کے پیچھے جان دے دی۔

ظاہری سخاوت تو اپنے نانا اور والد ماجد سے میراث میں پائی تھی۔ لیکن باطنی سخاوت کا یہ حال ہے کہ جب تک بزم عالم مہر وماہ قائم ہے ان کا نام نامی اور اسم گرامی پیاسے دلوں کی پیاس کو بجھاتا رہے گا۔ رسالہ قشیریہ میں مرقوم ہے کہ غنی کا خرچ کرنا یہ ہے کہ اپنے مال کو فقراء سے نہ روکے اور عابدوں کا اپنے انفاس سے خرچ کرنا یہ ہے کہ طالبوں کو اپنے انفاس کی برکات سے محروم نہ رکھیں یعنی فیض سے مستفید کرتے رہیں۔ اور عارف اپنے قلوب کی زکوٰۃ اس طرح دیتے ہیں کہ طالبانِ ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور مراقبہ کی رسوم سے آگاہ کرتے رہیں اور عاشقوں کی زکوٰۃ ان کے ارواح سے ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی روحوں کو قضا اور آلام و مصائب کے سپرد کریں۔

درویشوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے قلوب سے اغیار کو نکال دیں۔ اور مال سے غنیوں کا زکوٰۃ دینا سب سے کم درجے کا انفاق باقی سب افضل ہیں اور درجہ وار مستحق انعام باری ہیں اور تقسیم انعامات و افضال کا دار و مدار ان کے مساعی کے مراتب اور درجات پر ہو گا۔　(باقی آئندہ)

> آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم
> حکمتِ او لایزال است و قدیم
> اقبالؒ

مدرسہ ضیاء القرآن کھیالی (محلہ سردار کالونی گوجرانوالہ)

زکوٰۃ کا بہترین مصرف

موجودہ زمانے میں مغربی تہذیب نے مسلمانوں کو کافی حد تک اسلام سے دُور کر دیا ہے اور آج اس دورِ الحاد میں دینی مدارس کا وجود کفر و شرک کے نت نئے فتنوں کے لئے ایک آہنی دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان ہی مدارس دینیہ میں مدرسہ ضیاء القرآن بھی ایک خالص اسلامی ادارہ ہے جس میں دینی تعلیم کا مکمل بندوبست موجود ہے۔ بیرونی طلبہ کی جملہ ضروریات قیام و طعام، کتب، صابن، بجلی امداد وغیرہ کا مدرسہ خود کفیل ہے۔ ایسے حالات میں مدرسہ ہذا آپ کے صدقات، عطیات، زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، چرمہائے قربانی یا قیمت اور کتب اسلامی وغیرہ کی شکل میں ہر قسم کے تعاون کا محتاج ہے۔

نوٹ:- (۱) رقوم بھیجتے وقت اس کی نوعیت کا خاص خیال رکھیں کہ زکوٰۃ ہے یا عطیہ وغیرہ۔ رقوم ملتے ہی ان شاء اللہ فوراً رسید بھیجوی جائے گی۔ (۲) موضع کھیالی واقع محلہ سردار کالونی نزد قبرستان جامع مسجد نعمانیہ اہلسنّت والجماعت زیر تعمیر ہے۔ لہٰذا مخیر حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس کار خیر میں حصہ لے کر صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کریں۔

ترسیل زر کا پتہ:- منظور احمد بٹ ناظم اعلیٰ مسجد و مدرسہ ضیاء القرآن کھیالی (محلہ سردار کالونی گوجرانوالہ)

اسنی المطالب

فی نجات ابی طالب

اس سے زیادہ مفید مطلب ایک اور روایت ہے۔

"جب ابوطالب کے پاس ملک الموت حاضر ہوا تو حضرت عباس نے دیکھا کہ ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے نزدیک جا کر اپنے دونوں کان ان کے ہونٹوں کے قریب کئے تو شہادت کو سُن لیا" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی ابوطالب نے وہ کلمات زبان سے ادا کر دیئے ہیں جن کے لئے تو نے اس کو حکم دیا تھا۔ اس وقت چونکہ حضرت عباس نے ابھی سلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے صاف الفاظ لا الہ الا اللہ کی تصریح نہ کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عباس تم درست کہتے ہو لیکن میں نے نہیں سنا۔ اسی لئے حضور کے قول کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس پر اعتماد نہ کیا اور گویا ابوطالب نے زبانی اقرار نہیں۔ منکرین نجات ابی طالب نے اس حدیث کو اس واسطے نہیں قبول کیا کہ اس وقت حضرت عباس زمانۂ جاہلیت میں یعنی اسلام ابھی قبول نہیں کیا تھا۔ اور ان میں سے بعض نے تو اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے پس ان دو عدم اعتبار کی بناء پر ہم پھر بھی صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوطالب بلحاظ احکام دنیا کافر تھے لیکن اللہ تعالےٰ کے ہاں وہ مومن اور ناجی تھے اور ان کا دل ایمان سے پُر تھا

اور ابوجہل و عبداللہ بن ابی اُمیہ کے سامنے ایمان لانے پر انکار والی حدیث ہی ان کے ایمان پر محکم دلیل ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے سامنے انکار کیا اور اس لئے کیا کہ میری وفات کے بعد نبی کریم محفوظ رہیں اور وہ ان کو اذیت نہ پہنچا سکیں۔ حضور کے بچاؤ، حضور کی حفاظت کے لئے دور اندیش اور فراست شعار ابوطالب نے ان کے دشمنوں کے سامنے دشمنوں کی مرضی کے مطابق ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ جب دشمنوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں ان کے دین پر ہوں تو میری حرمت اور عزت ان کے دل میں قائم رہے گی: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری وفات کے بعد کوئی تکلیف ان سے نہیں پہنچے گی۔ یہ ابوطالب کی زبردست قربانی ہے اور وہ ایمان کا اس وقت انکار کرنے میں معذور تھے۔ پس ابوطالب کا جواب جو ان دونوں کو آپ نے دیا۔ ان کی مدارات اور ان کی خاطر تھا کہ میرے مرنے کے بعد نبی کریم کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ یہ ایک عجیب واردات ہے یہاں انکار اور اقرار دونوں جمع ہو گئے اور صورت یہ ہے۔ دونوں کے سامنے انکار کیا تاکہ دونوں کا دل خوش ہو جاوے۔ دونوں دشمن تھے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد ہونٹ ہلے اور اور عباس نے سنا کہ اقرار کر لیا ہے۔ ان کے سامنے پہلے انکار۔

ان کی غیر حاضری میں۔ بعد میں اقرار جس کے بعد پھر انکار واقعہ نہیں ہوا۔ تو اب ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہوگی پہلے جو آپ نے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ اس میں توحید کا اقرار لسانی ہے۔ کیونکہ عبدالمطلب موحد تھا۔ اور اسی طرح آپ کے باقی تمام اجداد آدم تک موحد تھے اور اس حقیقت کو جلال الدین سیوطی نے متعدد رسالوں میں ثابت کیا ہے۔ پس ابوطالب نے دونوں دشمنوں کو راضی اور خوش کرنے کے لئے صرف یہ کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ وہ بیوقوف خوش ہو گئے۔ حالانکہ ابوطالب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عبدالمطلب توحید کا پرچاری تھا۔ پس گویا ان کے سامنے اپنے موحد ہونے کا اقرار کر لیا تھا۔

اور ابن عساکر نے عمرو بن عاص رضؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ابوطالب بلحاظ صلہ رحمی مجھ پر بہت حقوق رکھتے ہیں اور میں ان کو اس طرح ادا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے جھگڑوں گا جس طرح قرآن کی بعض سورتیں مومن گنہگار کیلئے جھگڑیں گی۔ منکرین نجات کا خیال ہے کہ بخاری و مسلم میں جو حدیث ابوطالب کے بارے میں وارد ہوئی جس میں دوزخ کی آگ کا اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں تھے اور وہ الفاظ اس کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں جو کفر پر مرا ہو۔ علامہ برزنجی اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ کافر کے متعلق یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو صرف اتنا عذاب دے کہ اس کے ٹخنوں تک پہنچے۔ بلکہ اس کی حالت تو یہ ہے کہ دوزخ کے نچلے طبقے میں جائے گا۔ اسی شیخین کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ منکرین کی روایت کے مقابل میں کہ حضور نے شفاعت کی کہ اس کو ندامت کے سبب سے فوقانی طبقے پر کر دیا۔ (ضحضاح) والی حدیث میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور قاعدہ قرآنی یہ ہے کہ کافر کے حق میں کوئی سفارش خواہ نبی کی ہو قبول نہیں کی جائے گی۔ (فما تنفعهم) میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ نیز حضور نے جو یہ فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوتے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ کافر یا منافق تھے، بلکہ مطابق روایات اخبار صحیحہ مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوطالب کو مجھ پر ایمان لانے کی ہدایت نہ کرتا تو تب اس صورت میں دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوتا۔ اس کی نظیر حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ساتھ تطابق رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب حضور اس یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جو کہ بستر مرگ پر پڑا تھا تو آپ نے کلمۂ طیبہ پیش کیا۔ اس نے پڑھا اور اسلام لے آیا۔ پھر اسی طرح اس کے متعلق بھی حضور نے یہی فرمایا تھا۔ الحمد للہ الذی انقذہ بی من النار (ترجمہ) شکر ہے اس خداوند قدوس کا جس نے میری وجہ سے اسے دوزخ سے بچا لیا۔ اس وقت ملہم غیب نے ایک لطیف اور عجیب نکتہ میرے دل میں الہام کیا ہے کہ شیخین کی حدیث "ابوطالب دوزخ کی سختیوں میں پھنسے ہوئے تھے" اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب ابوطالب نے انکار ظاہری کیا تھا تو اسی کے مستحق تھے لیکن پھر حضور نے شفاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور پر ایمان لانے کی ہدایت کی۔ دونوں حدیثوں کو جو دونوں صحیح میں جوڑنے سے یہی مطلب نکلا پس وہ ایمان لے آئے اور وہ جو روایت یہ بتاتی ہے کہ حضور فرماتے ہیں، میں نے اس کو کلمۂ شہادت زبان پر لاتے ہوئے نہیں سنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عباس نے حضور کو اس امر کی اطلاع دی تو واقعی وہ حضرت عباس نے ابوطالب کی موت کے وقت کان لگا کر سنا تھا۔ حضور نے فرما دیا کہ ہاں تو نے سنا ہو لیکن میں نے نہیں سنا۔ مگر محدثین نے اس جواز کی گنجائش ان کلمات سے نکالی ہے، یعنی حضور کو بعد میں خبر ہوئی اس وقت ان کے ایمان لانے کی خبر نہ ہوئی۔ اب تمام اشکالات رفع ہو گئے۔ منکرین جو یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ اے محبوب جس کو تو پسند کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ہدایت نہ پائے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تجھ پر ایمان لانے کی ہدایت کر دے۔ یہ آیت اگر ابوطالب کے حق میں اتری ہے تو اس سے ہمارے دعویٰ کو جو اس کی نجات کا ہے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ابوطالب کو اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایمان بخشا جب حضور اس سے ناامید ہو چکے تھے۔ جیسا کہ اوپر کئی دفعہ ثابت کر دیا گیا ہے۔

ابن سعد و ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کی موت کی خبر دی تو آپ روئے اور کہا اے علی جا ان کو غسل دے اور کفن پہنا اور دفن کر دے۔ تمام اسلامی طریق پر ہوا۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خیال کیا کہ جنازے کے ساتھ چلیں لیکن قریش کے جہلا اور کفار کی اذیت اور ضرر کی وجہ سے ساتھ نہیں چلے۔ اور جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نے جنازہ کیوں نہیں پڑھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ اس وقت مشروع نہیں ہوئی تھی۔ اس نماز جنازہ کی بجائے حضور نے حضرت علی کو مخاطب کر کے کہا غفر اللہ لہ

ورحمہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور اس پر رحم کرے۔ یہ کلمات فقط مومن کے بارے میں حضور فرمایا کرتے تھے۔ اگر ماضی کا معنی حقیقی لیا جائے تو معنی یہ ہوگا اے علی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور اس پر رحم کر دیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے اس طرح تجہیز و تکفین کی جس طرح حضور نے فرمایا تھا اور اسی طرح اس کو قبر میں سلا دیا۔ صوفیاء اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابوطالب وفات پا گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے وہ تکلیف دی جو ابوطالب کی زندگی میں نہ دے سکتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز آپ کے سر مبارک پر انہوں نے دھول پھینک دی۔ اور مٹی کے ساتھ آپ اپنے گھر داخل ہوئے۔ آپ کی بیٹیوں سے ایک اٹھی۔ حضور کے سر مبارک سے مٹی دور کرتی اور روتی جاتی تھی۔ آپ نے فرمایا اے میری چھوٹی بیٹی مت رو۔ اللہ تعالیٰ تیرے والد کا محافظ ہے۔ ہاں ان بات حضور نے ضرور اس وقت کہی کہ قریش مجھے اب اس طرح کرنے لگے ہیں کہ ابوطالبؓ کی زندگی میں اس طرح نہیں ستاتے تھے۔ رسول مقبول کے اس قول کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے۔ کہ جب کفار قریش نے دیکھا کہ حضور ابوطالب کو کلمہ پڑھانے میں اس قدر اصرار کرتے ہیں تو وہ غضبناک ہو کر چلے گئے اور حضور کے ساتھ بغض و کینہ رکھنے لگے۔ پھر وفات کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تمام کفار ان کی ایذا اذیت کے درپے ہو گئے ہیں تو آپ نے [illegible] چچا افسوس تیرے جانے کے بعد جو مصائب مجھ پر آ رہے ہیں۔ وہ کس قدر جلدی سے رونما ہو رہے ہیں۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابوطالب کی موت پر حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے بوڑھے گمراہ چچا فوت ہو گئے ہیں۔

آپ نے جواب دیا جاؤ ان کو دفن کرو۔ جب میں نے تجہیز و تکفین کے بعد ان کو دفن کر دیا۔ پھر حضور کے پاس آیا تو حضور نے فرمایا اب نہالو۔

منکرین کا خیال ہے کہ گمراہ کا لفظ ثابت کرتا ہے کہ ایمان لانے والی حدیث کے ساتھ قضا و واقع ہو چکا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے کفار قریش کے سامنے یہ کہا اور اس واسطے تاکہ کفار کے ساتھ وضعداری اور مدارت قائم رہے۔ اور حضور کو اذیت نہ پہنچے۔ یا یوں کہیئے گا اور صاف کہیئے گا کہ یہ تو ان کا دنیا میں ظاہر حال تھا۔ اور اس ایمان کے ساتھ کچھ تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ یہ ظاہری حال ان کے باطن کے ایمان اور تصدیق کی نفی نہیں کر سکتا۔ گذشتہ حدیثوں سے جو ان کے باطنی ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایمان کی تصدیق بھی کر گئے تھے۔ علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ آپ کی نجات پر ہمارا اعتماد' پہلے مسلک پر جو سابقہ صفحات میں وارد ہے ان کی نجات کے لئے کافی ہے اور پھر اس کے بعد کسی اور مزید ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اب جو کچھ ہم مزید اثبات و ثبوت ذکر کر رہے ہیں یہ اپنے دعویٰ کو موکد کرنے کے لئے ہے۔

کتاب حکیم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتے ہیں کہ پس جو لوگ میرے اس آخری پیغمبر پر ایمان لے آئے۔ اور اس کی توقیر اور مدد کرنے لگے اور جو قرآن اس پر اتارا گیا اس کی اتباع بھی کرنے لگے۔ پس وہی کامیاب ہوں گے۔ اب ابوطالب کا عملی کام یہ تھا کہ حضور کی توقیر بھی کرتے مدد بھی کرتے۔ بلکہ حضور کی وجہ سے قریش سے الگ ہو گئے حضور کی توقیر تعظیم مدد اور قریش سے دشمنی مول لینا یہ سب آپ نے اس خوبی سے کئے کہ اگر احادیث کی روشنی میں ان کو پرکھا جائے تو اس کا کوئی بھی انکار نہ کرے گا۔ پس ثابت ہوا کہ ابوطالب بھی فلاح پانے والوں میں سے ہیں۔ کیونکہ کامیابی کا دارو مدار تین کام پر ہے۔ حضور کی تعظیم' مدد اور حضور کے دشمنوں سے عدم تعاون یہ تینوں واقعات کی روشنی میں ابوطالب پر صادق آتے ہیں۔ پس ابوطالب ان حضرات میں سے ہو گیا جس کا اشارہ قرآن حکیم نے کیا (کہ وہی کامیاب ہونگے) پس حقیقت میں کامیاب وہی لوگ ہیں۔ اور ابوطالب بھی کامیاب ہوا۔ منکرین اس آیہ مبارک سے ایک نکتہ نکالتے ہیں وہ کہتے ہیں بیشک نبی کریم کی مدد بھی کی۔ تعظیم و توقیر بھی ثابت ہے لیکن قرآن کی اتباع نہیں کی۔ پس کامیابی کی تکمیل نہ ہوئی۔ جب تک تمام شروط کو پورا نہ کیا جائے۔ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ اگر کامیابی سے مراد دوزخ سے نجات پانا ہے تو وہ تو محققین کے نزدیک صرف تصدیق ہی ہے اور وہ تو ابوطالب کو حاصل تھی۔ اور اگر فلاح سے مراد فلاح مکمل مراد ہو تو اس کی نفی سے کفر کا حاصل ہونا لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اتباع اور تصدیق قلبی دو چیزیں قریب قریب ملتی ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کا عین نہیں بن سکتی۔ جو چیز ایمان کا عین بنتی ہے تصدیق قلبی ہے۔ جب ایک چیز کا عین ہی ایک ہے تو دوسری چیز اس کا غیر ہو گی۔ پس فقط اتباع غیر ایمان ہے اور تصدیق قلبی عین ایمان ہے منافقین کو اتباع تو حاصل تھی۔ لیکن یہاں ایک نکتہ ہے جو منکرین کے خیال میں نہیں آیا۔

(باقی آئندہ)

جوہری غذائیت سے بھرپور

میدہ اور سوجی

ہم عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

یونیورسل فلور ملز لمیٹڈ

گل بہار کالونی ★ جی۔ ٹی روڈ ★ پشاور

فون نمبر
۴۰۴
3215

چیئرمین
صلاح الدین خان

ہماری فخریہ پیشکش

میدہ

سوجی - چوکر - آٹا

غذائیت سے بھرپور

ہر وقت دستیاب ہے

بلور فلور اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ

چارسدہ روڈ - پشاور - فون نمبر ۲۵۰۰

بلور بلڈنگ - بازار دالگراں - پشاور - فون نمبر ۲۶۲۹

گرام : RICE / ٹیلی گرام : "البشیر" / فون نمبر ۲۲۸۸

مسلسل

شرحِ قصیدہ بُردہ شریف

حقائق و معارف

اب ہم اس بیت کے موتیوں کی لڑی (سلک) کے آخری موتی پر پہنچ گئے جو کہ حقائق و معارف کے عنوان کے تحت اپنا کردار پیش کریں گے۔

فنقول باللہ التوفیق

اے عاشق صادق تو تو یہ گمان کر رہا ہے کہ عشق و صبابہ چھپ سکتے ہیں۔ یہ گمان بھی ممنوع اور گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان بعض الظن اثم۔ یہ گمان کہ میں سوز و گداز کو چھپالوں گا یا یہ چھپ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا گناہوں کی فہرست سے ہے جو کہ اثم سے بغیر کئے گئے۔

نمبر ۲۔ یہ گمان کس طرح عائد ہوا جبکہ تیرے برخلاف دو عادل گواہ گواہی دے رہے ہیں۔ ایک عین منسجم اور دوم عین قلب مضطرم۔ اور شروع متن میں ہر ایک دعویٰ کے ثبوت کے لئے گواہ ہوتے ہیں جو کہ عادل ثقہ اور شاہد عینی ہوں تو آنکھ اور دل سے بڑھ کر اور کون ہو سکتے ہیں مقدار میں دو بھی اور ہیں واقعی ثقہ، عادل، سچے اور عینی گواہ۔ کیونکہ کسی شاعر نے خوب کہا آنکھوں میں چھلکتے ہیں آنسو اور دل چپکے چپکے روتا ہے۔

اس سے بڑھ کر کیا ثقاہت ہو سکتی ہے۔ اور کہا عدل و صدق کہ آنکھیں اور دل اپنی اپنی بیتی سنا رہے ہیں اور دکھیا بھی رو رہے ہیں۔ موقع موجود ہے اور منظر بھی موجود ہے پس شاہدان وعدولان ثابت ہوئے تو دعویٰ متناصم باطل ہوا۔ اور دعویٰ مدعی ثابت برحق ہوا۔ علامہ خرپوتی نے اپنی شرح میں اس کو ایک اور رنگ سے پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک عاشق نے اپنے مخاطب کو ایک دفعہ کہا یعنی عاشق نے اپنے مخاطب کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ محبت کا راز فاش ہو جایا کرتا ہے لیکن مخاطب نے انکار کر دیا۔ یعنی یہ غلط ہے محبت و عشق چھپ سکتے ہیں۔ دونوں محکمہ عشق کی طرف چلے گئے۔ اور قاضی عشق کے آگے اپنے دعاوی پیش کر کے فیصلہ طلب کرنے لگے۔ پھر قاضی نے حکم دیا کہ دو عادل گواہ پیش کرو۔ اور یہ مدعی عشق کو کہا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مشہور حدیث وارد ہے کہ البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر۔ (ترجمہ) مدعی جو دعویٰ دائر کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ دلیل پیش کرے یعنی گواہ پیش کرے مدعیٰ علیہ کو اس پر قسم کھانا واجب ہے۔ پھر عاشق نے اپنے اثبات دعویٰ کے لئے دو گواہ پیش کئے۔ جو کہ نمبر ا دمع العین اور نمبر ۲ اضطرام قلب تھا۔ ان دونوں نے قاضی عشق کے سامنے اپنی اپنی گواہیاں دیں۔ اور وار دلت مع مقامات بیان کر دیئے۔ پس قاضی عشق نے مدعی کے حق میں ڈگری دی۔ یعنی عشق صادق چھپ نہیں سکتا بلکہ اس کا انکشاف

یقینی ہے۔ دو لونڑ گواہ اثبات کو ثابت کرتے ہیں اور انکار کو باطل کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام نے خود ہی اعتراض پیش کیا اور خود ہی جواب دیا کہ (اعتراض) آنکھ تو نظر آتی ہے اس کا رونا بھی دیکھا ہے اور خوشی سے چمکنا بھی دیکھا ہے لیکن دل کا حال کس نے دیکھا ہے۔ اس کو تو نص صحیحہ کے مطابق سوائے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی ذات کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یعنی اس کی کیفیات صرف محسوس ہوتی ہیں۔ نظر نہیں آسکتیں۔ پس دوسرا گواہ شرعی گواہ نہیں ہے۔ اس کی گواہی منظور نہیں اس کا جواب خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تشریح اور یہ بیان غلط محض ہے۔ کیونکہ آنکھ بھی تبھی روتی ہے کہ واردات دل پر عارض ہوں۔ جب دل کا غم بڑھا۔ الم تیز ہوا۔ باد مخالف چلی۔ تو صبر و قرار کی کھیتی جل گئی اور آنکھ رونے لگی۔ جوں جوں غم بڑھتا گیا، رونا بھی تیز ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پھر آنسوؤں کے ساتھ خون کی آمیزش نظر آنے لگی۔ تو یہ دل ایک بنا ہے اصل ہے۔ تمام جسم میں سب سے زیادہ قیمتی پرزہ ہے جس پر آنکھ کا بھی، کان کا بھی، ٹانگ ہاتھ سب کا مدار ہے۔ پس قابل ذکر اور اقوی گواہ دل ہوا نہ کہ آنکھ۔ آنکھ تو آنکھ باقی تمام جوارح انسانی قلب کے ماتحت ہیں۔ پہلے روح قلب کو خیال دلاتا ہے۔ پھر قلب جس کے ماتحت عضو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ فوراً تعمیل کرتا ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ منکر کی محب باطل اور منکر کا دعویٰ بھی باطل۔ مثبت یعنی مدعی کا دعویٰ ثابت اور اس کی دلیل اقویٰ۔

نکات تصوف

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رونے کو ایک مجاز میں بیان کر کے حقیقت کی طرف رجوع کیا ہے۔ اپنے دیوان میں ایک عجیب لطیف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک بلبل کو دیکھا۔ اس کی منقار میں ایک خوبصورت پھول ہے اور بہ زار و قطار رو رہا ہے۔ میں نے نزدیک ہو کر پوچھا۔ اے بلبل نغمہ خوان! یہ کیا بوالعجبی ہے کہ عین وقت وصال میں گریہ۔ جب مطلوب مل گیا اور تیری چھاتی کے ساتھ لگا ہوا ہے تو یہ آہ و بکا کیسی۔ اور اس کا یہ مقام کیا۔ کیا تو دیوانہ نہیں ہے۔ بلبل نے جواب دیا۔ اے خواجہ حافظ شیرازی تو نے عجیب سوال کیا۔ اس رونے کی حقیقت تجھ کو معلوم نہیں ہے۔ جس دل میں عشق یار سما جائے۔ وہ ہر حال میں روتا ہے اور عاشق کا اس پر یہی فرمان واجب الاذعان ہے کہ تو ہمیشہ روتا رہ۔ رونے سے کبھی خالی نہ ہو۔ تیرا دامن ہمیشہ آنسوؤں کے موتیوں سے اپنے لئے حاشیہ بنائے۔ اور پھر جو عشق میں کامل ہوں وہ رونے میں اکمل۔ وہ سوتے روتے، اٹھتے روتے بیٹھتے روتے، چلتے روتے، بلکہ ہر حال میں روتے رہتے ہیں۔ پھر اسی مفہوم کو ایک عاشق صادق نے عربی زبان کے رنگ میں پیش کیا۔ جو اشعار کے اندر اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔

وما فی الخلق اشقیٰ من محب
وان وجد الهویٰ حلو المذاق
تراه باکیا فی کل حال
مخافة فرقة والاشتیاق
فیبکی ان نأوا شوقا الیهم
ویبکی ان دنوا خوف الفراق

(ترجمہ) ان مبارک اشعار پر چوتھے بیت کے حقائق و معارف کو ختم کیا جاتا ہے۔ (۱) اگر عاشق صادق اپنی طلب میں کامیاب بھی ہو جائے۔ تو پھر بھی تمام مخلوق خدا میں اس

سے زیادہ قابل رحم کوئی نہیں۔ ۲۔ اے مخاطب تو اس کو ہر حال میں روتا دیکھے گا۔ وصل کی طلب اور جدائی کے ڈر سے۔

۳۔ اگر فرقت ہو تو طلب وصل کے لئے روتا ہے اور اگر وصل ہو جائے تو جدا ہونے کے ڈر سے روتا ہے۔

صوفیاء و علماء کا مشاہدہ ایک عجیب و غریب کیفیت کا انکشاف کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب جھوٹ بولنے والا اپنے محرم راز کے سامنے جھوٹ بولنا چاہے تو یہ امر متعسر ہے اور اس کیلئے عذر کا پیش کرنا بھی متعذر ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ ایک نہیں دو محرم راز تشریف فرما ہیں۔ اب یہ امر اپنے اندر استحالہ رکھتا ہے۔ دو محرم راز آنکھ اور قلب ہیں۔ واحسرتا! آنکھ روئے دل آگ بھڑکائے تو اب ان کے سامنے کتمانِ عشق کون کرے۔ پھر خاصہ یہ کہ دونوں محرم راز ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ سبحان اللہ کیا ہی نکتہ قابل توصیف ہے کہ جتنا دل جلے اتنا ہی آنکھ روئے۔ اور جتنا زیادہ گریہ دلکا ہو، وہ دل کے ناسور کی سوزش پر دال ہوتا ہے۔ گویا یہ ایک دوسرے کے حامی واقع ہوتے ہیں۔ ع

ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

تو جب آگ بھی ہو اور دھواں بھی موجود ہو تو اس حقیقت کو جھٹلانا محال ہو گا کہ اتقاء نار ثابت نہیں۔

اس بیت میں آنکھوں کا خون بار ہونا اور دل کا آگ جلانا ایک دوسرے کے ممد ہیں اور محرم راز محبت ہیں۔ دل کا آگ جلانا شارحین متصوفین علماء کے نزدیک استعارہ مکنیہ ہیں۔ دل کو ذکر کر کے مشبہ بنا لیا گیا۔ اور تشبیہ ایک امر پوشیدہ ہے۔ ذہنی ہے اور عود کی لکڑی ہے جو جلتے وقت ایک عجیب سا سماں پیدا کرتی ہے۔ اس کے جلنے سے جلنا اور خوشبو پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مشبہ بہ ہوا جو کہ اصل کلام میں مذکور نہیں قلب مذکور ہے۔ قلب کو مشبہ بنایا۔ اور عود کو مشبہ بہ بنایا جب وہ غیر مذکور ہے۔ یعنی فقط ذہن میں ہے۔ پھر اس مشبہ بہ کو ترک کیا اور مشبہ کو بحال رکھا۔ یہی استعارہ مکنیہ ہے۔ یہ مذہب سکاکی کا ہے۔ اور خطیب صاحب کے نزدیک مشبہ بہ کو لے کر جو کہ سوز و طیب نہیں مشبہ کو دے دیئے۔ مشبہ جب مذکور ہوا اپنے لوازمات کا مظہر ہوا تو مشبہ بہ کو ترک کیا۔

اگر طائر و بلاغت ذرا اور گرم پرواز ہو تو یہ استعارہ تمثیلیہ بھی بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ شاخسار ایک ہے اور بلابل کا ہجوم و ازدحام ہے یا پھول ایک اور نظارے کرنے والے ہزاروں۔ شعر ایک ہے۔ شارحین کا شمار نہیں۔ لفظا ایک معانی بے شمار۔ یہ سب اس عشق و محبت کے کرشمے ہیں جو ذات والاصفات حضرت رسالت مآب کے ساتھ ہو۔ تحمید و توصیف کے لئے یہی عشق و غلامی مصطفےٰ ہے۔ نہ کوئی اور جیسا کہ حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ہزاراں عاشق و فرزانہ رفتند
کہ خلق از ذکر ایشاں لب ببستند
نہ نامے ماند از ایشاں نہ نشانے
نہ در دست زمانہ داستانے
اگر مجنوں و لیلیٰ زندہ گشتے
حدیثِ عشق ازیں دفتر نوشتے

آمدیم بر سر مطلب۔ زمرۂ عشاق میں بلحاظ قصیدہ بردہ جو نام ناظم فاہم امام بوصیری نے حاصل کیا وہ اور عشاق بذریعہ قصائد حاصل نہ کر سکے۔

(باقی آئندہ)

برکاتِ رمضان المبارک

جناب مولانا حامد حسن صاحب قادری کراچی

ماہِ رمضاں یوں ہے شبِ قدر در آغوش
جس طرح شبِ چاردہم بدر در آغوش

صائم کو ہوا و ہوسِ نفس سے ہے جنگ
ہر صوم ہے صد معرکۂ بدر در آغوش

روزوں میں ہیں وہ ذکرِ الٰہی کے مزے
حاصل ہیں گداؤں کو بھی شاہی کے مزے

رندوں کو نصیب لذّتِ جامِ صبوح
صائم کو نمازِ صبح گاہی کے مزے

شیریں ہے عجب صدائے بے سازِ اذاں
کھل جاتے ہیں روزے ہے یہ اعجازِ اذاں

یوں گوش برآواز ہیں صائم گویا
محبوب کی آواز ہے آوازِ اذاں

روزوں میں جو برکت کا اثر آتا ہے
وہ دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے

[illegible] آسمانوں کی طرف
اللہ بھی لینے کو اُتر آتا ہے

صائم صابر رہے تو پھر کیا کہنا　　حق کے لئے دُکھ سہے تو پھر کیا کہنا
"روزہ میرے لئے ہے میں اس کی جزا"　　تو خود ہی وہ یُوں کہے تو پھر کیا کہنا

ہے نفس کی لذّات کا روزہ روزہ　　کیا ورنہ بد اوقات کا روزہ روزہ
تقوے کیلئے دِن کی خصوصیّت کیا　　ہے اصل میں دن رات کا روزہ روزہ

روزوں میں ہوس کی لے بڑھانا چھوڑو　　مُنہ اور زبان دونوں چلانا چھوڑو
پیتے ہو جو کانوں سے وہ چھوڑو پینا　　کھاتے ہو جو آنکھوں سے وہ کھانا چھوڑو

اس طرح سے کیوں ہو مبتلائے روزہ
گویا سر پڑ گئی بلائے روزہ
ہے ناقص روزہ منہ بنائے رہنا
کونین[ل] سے جیسے ٹوٹ جائے روزہ

ل انگریزی دوا Quinine

رمضان المبارک

فضائل

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نے ارشاد فرمایا اور رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا تھا۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ رمضان کا مہینہ آ گیا تھا جو بڑی برکت کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اپنی رحمت خاصہ نازل فرماتے ہیں خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں دعا کو قبول کرتے ہیں۔ تمہارے نفوس کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ سے فخر کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ سبحانہٗ کو اپنی نیکی دکھلاؤ۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہ جائے۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی پہلی رات آتے ہی شیطان اور شریر و سرکش جن زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اس طرح کہ اس کا ایک دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس طرح کہ اس کا ایک دروازہ بھی بند نہیں رہتا، اور پکارنے والا منادی کرتا ہے کہ بھلائی کرنے والو! (اور نیکی و سعادت کے طلب گارو!) آگے بڑھو (یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں منہمک ہو جاؤ) اور اے برائی کرنے والو رک جاؤ (یعنی اللہ کی نافرمانی اور برے کاموں سے باز آ جاؤ) اور اللہ کے لئے کتنے دوزخ سے آزاد ہونے والے ہیں اور ہر رات ایسا ہی ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف جلد اول ص ۱۳۶ شمار ۶۰۴)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم چاند (رمضان کا) دیکھو تو روزے رکھنا شروع کر دو اور جب تم چاند (عید الفطر کا) تو روزہ ترک کر دو۔ پھر اگر تمہارے مطلع میں ابر ہو تو تم اس کیلئے اندازہ کر لو۔ (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۲۴۵ شمار ۱۷۵۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بلا کسی معذوری یا بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بدلہ میں ساری عمر بھی روزے رکھے تو اس کا حق پورا نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ)

نیت

روزہ کیلئے ضروری ہے اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہ ہوگا سحری کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لینا

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

مستحب ہے ورنہ دل کی نیت ہی کافی ہے۔

سحری کھانا اور افطار کرنا

روزہ کیلئے سحری کھانا سنت ہے خواہ ایک دو لقمے ہی ہوں۔ چھوہارے کا ٹکڑا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھالے۔ اور اگر دیر ہوگئی اور گمان غالب کہ صبح ہوگئی (اور کچھ کھاپی لیا) تو شام تک رکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد افطار میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ کھجور یا پانی سے افطار کرنا مسنون ہے۔ افطار کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے میں نے افطار کیا۔ (ابوداؤد شریف جلد اول صہ ۹۴ شمارہ ۲۰۸۵)

عن معاذ بن زبیرؓ) اگر (کسی دعوت میں) لوگوں کے پاس افطار کرو تو کہو اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ (روزہ دار تمہارے پاس افطار کریں۔ اور نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دعا کریں۔ (عبداللہ بن زبیرؓ / ابن ماجہؒ / ابن حبانؒ النسائیؒ / ابوداؤدؒ / حصن حصین صفحہ ۲۲۶)

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں: حقہ سگریٹ وغیرہ پینا۔ جان بوجھ کر کھانا پینا۔ صحبت کرنا۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کا کھانا کھلائے۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے: بلا ضرورت کسی شئے کو چبانا یا نمک وغیرہ کا ذائقہ دیکھ کر تھوک دینا قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کرکے نگل جانا۔ فصد کھلوانا پچھنے لگوانا، غیبت، بدگوئی، جھوٹ، لڑائی جھگڑا کرنا۔

ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: بھول کر کھاپی لینا۔ بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی یا مچھر چلا جانا۔ کان میں پانی چلا جانا۔ یا خود بخود قے آجائے۔ یا خواب میں غسل کی حاجت ہوجائے۔ یا قے آکر خود بخود لوٹ جائے۔ آنکھ میں دوا ڈالنا۔ سرمہ لگانا۔ تیل لگانا۔ خوشبو سونگھنا مسواک کرنا۔ اگر جنبی سحری کے وقت غسل نہ کرسکا تو کھانا کھاکر روزہ رکھ لینا درست ہے۔ اور غسل تاخیر سے طلوع صبح کے بعد بھی کرسکتا ہے۔ (اگرچہ بلا عذر غسل جنابت کرنے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔)

جن باتوں سے قضا واجب ہوتی ہے: کان میں یا ناک میں دوائی ڈالنا۔ قصداً منہ بھر قے کرنا۔ منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا۔ کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلے جانا۔ رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھانا۔ دن باقی تھا غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا روزہ کھول لینا۔

وہ لوگ جن کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

مریض جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو یا دن میں دوا استعمال کرنا۔ اس کیلئے ضروری ہے۔ حاملہ عورت جبکہ اسے نقصان کا یقینی اندیشہ ہو۔ بچے کو دودھ پلانے والی ایسی عورت کہ اگر وہ روزہ رکھے گی تو بچے کو یقیناً نقصان پہنچے گا۔ مسافر شرعی کم از کم اڑتالیس میل کا سفر ہو اور راستے

میں سحری کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اگر ان عذروں کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو بعد میں قضا کرنا ضروری ہے۔ عورت کو ایام حیض اور نفاس میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ بعد میں قضا کرے۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے۔ اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر گندم مساکین کو دے۔ لیکن اگر پھر کبھی طاقت آجائے گی۔ تو قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ ان عذر والوں کیلئے ضروری ہے کہ رمضان المبارک کی تعظیم کا خیال رکھیں، اور کھانے پینے کی ضرورت تنہائی اور پوشیدگی میں پوری کرکے بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

روزہ توڑنے کا بیان: اگر سخت بیمار ہو جائے کہ روزہ نہ توڑے تو مرجانے کا اندیشہ ہے یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا۔ تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔ مریض کو صحتیاب ہونے کے بعد قضا جلد ادا کر لینی چاہیئے۔ اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گندم صدقہ کریں۔

تراویح اور وتر: عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے جس کی دو چار رکعت رہ گئی وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے۔ جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے۔ وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ تراویح میں ایسا حافظ مقرر کریں جو صاف پڑھتا ہو۔ رکوع سجود پورا کرتا ہو۔ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اعتکاف ـــــــ : اخیر عشرہ میں اعتکاف درست ہے۔ اگر تمام بستی میں کوئی بھی نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔

صدقۂ فطر: ہر صاحب نصاب پر اپنی اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف صدقۂ فطر دینا واجب ہے۔ کوئی بچہ اگر عیدالفطر کے دن صبح صادق سے قبل پیدا ہوا ہو اس کی طرف سے بھی دینا چاہیئے۔ فی کس دو سیر گندم یا چار سیر کھجور یا چار سیر کشمش یا ان میں سے کسی ایک چیز کی قیمت نقد ادا کر دینا چاہیئے۔ صدقۂ فطر کے لئے اس دن صاحب نصاب ہونا ضروری ہے۔ پورا سال گذرنا شرط نہیں۔

ماخوذ۔ دارالاحسان۔ دعوۃ و تبلیغ الاسلام
سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۲۸ سالاروالا۔ لائلپور

ذکرِ غوثؓ

غوثؓ کے ذکر سے سرشار ہوئے جاتے ہیں
فیضیابی کے سزاوار ہوئے جاتے ہیں

اُن کی خاطر لئے پلکوں میں دُرِ بیش بہا
نیم شب حاضرِ دربار ہوئے جاتے ہیں

عین تنہائی میں ہوتی ہے ملاقات مگر
تذکرے برسرِ بازار ہوئے جاتے ہیں

خوش نصیبی جسے لے آتی ہے اُن کے در تک
منتخب قافلہ سالار ہوئے جاتے ہیں

جب نوازش کی نگاہ غوثؓ نے کی اسلم
خود بخود راستے ہموار ہوئے جاتے ہیں

★ سگ سگہائے قادری صوفی محمد اسلم قادری

پیغامِ تعزیت

عزت مآب جناب محمد حنیف خان صاحب سپیکر سرحد اسمبلی

سید نور احمد شاہ مرحوم ایک طویل عرصہ سے سرحد صوبائی اسمبلی سے منسلک رہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ جب سے اس صوبہ میں اس جمہوری ادارے نے جنم لیا وہ اس کے ایک ستون کی طرح اس سے وابستہ رہے۔ جب وحدت مغربی پاکستان معرض وجود میں آیا، آپ مغربی پاکستان کی اسمبلی میں بطور اسسٹنٹ سیکرٹری کام کرتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں جب چاروں صوبے بحال ہوگئے تو آپ صوبہ سرحد اسمبلی میں اسسٹنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ آپ نے اسمبلی سیکرٹریٹ کو منظم کرنے میں جس جانفشانی سے کام کیا اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ایک نہایت دیانت دار اور فرض شناس افسر تھے۔ آپ کی موت ہمارے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

دستخط

محمد حنیف خان

سپیکر

صوبائی اسمبلی شمال مغربی سرحدی صوبہ پشاور

تاثرات

جناب ارباب سیف الرحمٰن صاحب ڈپٹی سپیکر سرحد اسمبلی

سید نور احمد شاہ کی قابلیت اہلیت اور مناسب مشوروں سے میں بہت متاثر رہا ہوں میں ان کی خودداری، خود اعتمادی، خوش خلقی اور حسن سلوک کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ موجودہ اسمبلی کے روح رواں تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس اسمبلی کی قابل رشک روایات اور بلند معیار کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ وہ ہمیشہ کرسی صدارت کو آئین قانون، قواعد اور پارلیمانی روایات کے مطابق مشورہ دیتے اور دیانتداری، غیر جانبداری اور جرأت مندی ان کے لہجے سے عیاں ہوتی۔ ان کی وفات سے اسمبلی سیکرٹریٹ کو یقیناً ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ جسے پورا کرنے کے لئے مناسب افراد کے انتخاب کے سلسلے میں سعی و بصیرت کی ضرورت ہوگی تاکہ حسن کارکردگی کا وہی معیار برقرار رہ سکے جو مرحوم اپنی شبانہ روز کاوش اور انتھک محنت سے قائم کر گئے ہیں۔

سیف الرحمٰن ارباب

ڈپٹی سپیکر

صوبائی اسمبلی شمال مغربی سرحدی صوبہ پشاور

معرکۂ حق و باطل یعنی جہادِ بدر

مشتاق احمد صدیقی

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق

تاریخِ انسانیت میں اپریل سنہ ۵۷۱ء کا وہ دن کتنا پیارا اور مبارک تھا جس دن انسانیت کا محسنِ اعظم لبادۂ نور اتار کر پیکرِ انسانیت میں جلوہ گر ہوا۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ سرزمین جس میں خالقِ کائنات کے محبوب پیدا ہوئے اور اس کے عظمت و وقار کو لوحِ عرش سے بلند تر کر دیا۔ کتنی مبارک تھی وہ ساعت جس میں کائنات عالم کے نجات دہندہ نے اپنی زندگی کا پہلا سانس لے کر ساکنانِ ارض کی ناامیدیوں کو امید و یقین سے بدل دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آنے والے کی آمد پر دشت و صحرا کا ہر ذرہ، سمندر کا قطرہ، کوہ و جبل کا ہر دفینہ، بحر و بر کا ہر خزینہ، فضائے آسمانی کا ہر پرندہ اور عالمِ قدس کا ہر مکین وجد و نشاط کے عالم میں رقص کناں تھا۔ اور یہ اہتمام کیف و طرب کیوں نہ ہوتا جبکہ اسی مسرت انگیز ساعت کے لئے سموات و ارض کی ہر جامد و ذی حیات ہستی کی نگاہیں عرصۂ دراز سے ترس رہی تھیں۔ بالآخر ؎

لعبد اندازِ یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

سننے والوں نے کیف و انبساط کے ان نغمات میں دبی ہوئی دردناک چیخیں بھی سنیں۔ متجسس نگاہ اٹھی اور دیکھا کہ خدا کے گھر میں ۳۶۰ پتھر اپنی تباہی پر ماتم کناں تھے۔ نظر آگے بڑھی

معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اور افریقہ کے خود ساختہ خداؤں یعنی ارواحِ خبیثہ کو گریہ کناں پایا۔ نگاہ مزید گمراہوں کی سمت روم کے سمندر عبور کر کے یونان اور اٹلی کی رومان انگیز وادی میں پہنچی اور خوبصورت دیوی اور دیوتاؤں کی جامد مورتیوں کو اپنی بدقسمتی پر نالہ کناں پایا۔ نظر کا ذوقِ تجسس یورپ کا سیر کرتے ہوئے تثلیث کے پجاریوں کو نالاں دگریاں دیکھ کر مشرق کی طرف مڑی۔ سرزمینِ ایران میں دیکھا کہ یزداں و اہرمن آگ کے شعلوں میں آخری ہچکیاں لے رہے ہیں۔ نگاہ کا ذوقِ سیاحت آگے بڑھا۔ چین کی وسیع سرزمین میں کنفیوشزم کے اسلاف پرستوں اور طاؤازم کے رسوم پرستوں کو گرم فغاں پایا۔ ساتھ ہی جاپان کے جزائر میں شنٹوازم کے آبا پرست پیادوں کی غاروں میں الاماں والحفیظ پکار رہے تھے۔ نگاہ پیچھے کی طرف بڑھی برما اور سیلون میں بدھ مت اور جین مت کے پرستاروں کو لرزہ کناں پایا۔ نظر کا ذوقِ پرواز ہندوستان کی وسیع سرزمین پہ بال کشا ہوا۔ وہاں اس نے اگنی، اندر، اور وشنو جیسے لاکھوں دیوی اور دیوتاؤں کو مصروفِ نالہ و فغاں پایا۔ دیکھنے والی نظر نے یہ سب کچھ دیکھا۔ آخر کار جب وہ جزیرۂ عرب کی سمت دیکھ کر جولاں سینہ چیر کر عرب کی طرف آ جب دیکھا وہ سرزمین میں داخل ہوئی تو مکۂ معظمہ کی ایک غریب کٹیا میں بی بی آمنہ کی مقدس گود میں دُرِ یتیم کو مہرِ درخشاں کی طرح پیدا ہوئی

صباحتوں اور ملاحتوں کے ساتھ ضیا باری کرتے ہوئے پایا تاڑنے والی نظر تاڑ گئی کہ یہی وہ انوار کی شعاعیں ہیں جو ایک طرف تو سعید روحوں کو حیاتِ نو کا مژدہ سنا رہی ہیں اور دوسری طرف طاغوتی طاقتوں کو نارِ جہنم کی طرح جلا رہی ہیں دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی بے پناہ قوت نے سنبھالا لیا اور اور رشد و ہدایت کے اس ابھرتے آفتاب کو کفر کے گھنگھور بادلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ان کی پہلی سعی جنگِ بدر کی صورت میں نمودار ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی دیکھ کر سردارانِ قریش کے دل جلتے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔

آنحضرتؐ کو جب کفار کے اس ناپاک ارادے کا پتہ چلا تو آپ نے صحابہ کرام کی مجلسِ شوریٰ طلب کی۔ جس میں ایک طرف مہاجرین بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف انصار۔ آپ نے اپنے جاں نثاروں سے مشورہ طلب فرمایا۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت نیاز مندانہ انداز میں عرض کی۔ "اے حبیبِ کردگار! ہمارے جان و مال اور اولاد سب کچھ آپ پر قربان ہو۔ ہم کفار کی ان دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں۔ ہم دینِ حق کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔" پھر حضرت مقدادؓ نے عرض کی "اے خدا کے پیارے رسولؐ! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں جنہوں نے کہہ دیا تھا کہ "اے موسیٰؑ! تیرا خدا اور تو دشمنوں کے ساتھ جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھیں گے۔ ہم غلامانِ محمدؐ دشمن کی بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

بزرگانِ مہاجرین کی تقریریں سن کر آنحضرتؐ کا رخِ انور خوشی سے تمتما اٹھا۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر حضور کی نگاہیں انصار کی جانب اٹھیں۔ نگاہوں کا اٹھنا تھا۔ کہ فوراً قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی "اے سرکارِ دو عالمؐ! یہ ہماری انتہائی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولؐ ہمارے شہر میں تشریف لائے۔ اور ہم کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ ہم آپ کے اس احسانِ عظیم کو ہرگز ہرگز نہیں بھلا سکتے۔ ہم آپ کے ہر حکم پر بے چون و چرا عمل کرنے کو تیار ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں بھی کود پڑنے کو تیار ہیں۔"

دوسرے معززین انصار نے بھی پرجوش تقریریں کیں۔

مہاجرین و انصار کی مجاہدانہ تقریریں سن کر سالارِ انبیاء نے قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ آپ نے رمضان ۲ھ / ۶۲۲ء میں تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کا ایک لشکر مرتب کیا۔ جن میں ساٹھ مہاجرین اور دو سو ترپن انصار تھے اللہ والوں کا یہ مختصر لشکر مدینہ منورہ سے نکلا۔ یہ لشکر عام لشکروں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ ؎

یہ لشکر ایک مٹھی بھر جماعت حق پسندوں کی
بھری دنیا سے منہ موڑے ہوئے دیندار بندوں کی
نہتے۔ بے سروساماں بھوکے اور تھکے ہارے
کہ مل کر تین سو تیرہ جوان و پیر تھے سارے
نہ زرہیں تھیں نہ ڈھالیں تھیں نہ خنجر تھے نہ شمشیریں
فقط خاموش تسکیں تھی فقط پرجوش تکبیریں
کوئی سامان نہیں تھا ایک ہی سامان تھا ان کا
خدا واحد نبی صادق ہے یہ ایمان تھا ان کا
یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواجِ الٰہی کا
جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا
یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اسی اثناء میں قریش کا لشکر جن میں ایک ہزار سپاہ اور سوار تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ اور مناسب جگہوں پر قبضہ کر کے صف آرائی کی۔ قریش کا یہ لشکر اگر ایک طرف نخوت، غرور، تکبر اور بغض و حسد کے آلات سے مسلح تھا تو دوسری طرف سو

برابر افراد تھے اس لشکر اسلام دشمن میں
مسلح، تند خو، ڈوبے ہوئے دریائے آہن میں
جسم آہن کے خود آہن کے چار آئینہ آہن کے
سر آہن کے دل آہن کے مگر سینے آہن کے
بندھے تھے حلقہ ہائے آہنی سے آہنی شانے
چڑھے تھے کہنیوں تک سر بسر آہن کے دستانے
تر ہائے سیہ رو گزر جائے گا دوسرا آہن
نیاموں کے شکم نیزوں کے پھل تیروں کے پر آہن!
یہ ڈھالیں اور زرہیں اور خنجر اور تلواریں
کھڑی کر دی تھیں گویا ریت پر لوہے کی دیواریں

آنحضرت کو چاہ بدر کے قریب لشکر قریش کی اطلاع ملی۔ چنانچہ آپ نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن قریب کوئی چشمہ یا کنواں وغیرہ نہ تھا۔ اس لئے آگے پانی کی تلاش میں بڑھے۔ اور ایک چشمہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ فوراً ہی رات نے دونوں لشکروں کو اپنے دامن عاطفت میں سونے کی تلقین کی۔ دونوں طرف کے نبرد آزما میٹھی نیند سو گئے۔ لیکن ہادیٔ اسلام۔ سرکار دو جہان خداوند بزرگ و برتر کے حضور میں سجدہ ریز تھے۔ چشم سطوت حشم سے اشکوں کی لڑیاں دُرِ آبدار کی طرح موتی بکھیر رہی تھیں۔ آپ انتہائی خلوص کے عالم میں لشکر اسلام کی فتحمندی کی دعا فرما رہے تھے۔ صبح کے وقت جب شہ خاور نے رات کی تاریکی کا سینہ چاک کر کے دنیا کو اپنی سنہری اور روپہلی کرنوں سے منور کیا۔

تو سالار دو جہان نے لشکر قریش کے سامنے اپنے لشکر کو صف آرا کر کے دعا فرمائی: "اے خدا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر۔ اگر آج یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔"

یہ بڑے صبر اور امتحان کا وقت تھا جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کی تلواروں کے سامنے خود ان کے عزیز، بزرگ اور قلب و جگر کے ٹکڑے ہیں۔ لیکن اسلام کی محبت نے سب رشتوں کو بھلا دیا چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکرؓ کی شمشیر براں اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلے میں بے نیام ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ اور حضرت حذیفہؓ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا۔

پہلے عرب کے دستور کے مطابق تین سرداران قریش عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ اور عبیدہ بن سعید مبارز طلبی کے لئے آئے اور لشکر اسلام کو للکار کر مقابلے کے لئے تین سپاہی مانگے۔ حضرت حذیفہ نے اپنے باپ عتبہ کے ساتھ لڑنے کی اجازت چاہی لیکن سرکار دو عالم نے اسے منع فرما دیا۔ پھر انصار میں سے تین صحابہ حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلے کے لئے نکلے۔ عتبہ نے ان کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مہاجرین کو اپنے مقابلے میں بلایا۔ چنانچہ مہاجرین میں سے حضرت حمزہؓ عتبہ کے مقابلے میں، حضرت علی کرم اللہ ولید کے سامنے اور حضرت زبیرؓ عبیدہ بن سعید کے مقابلے کے لئے آئے۔ اسلام کے یہ تینوں بہادر بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنے مد مقابل پر ٹوٹ پڑے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے قریش کے تینوں سرداروں کو پیوند خاک کر دیا۔ اس کے بعد قریش کی فوج نے ہلہ بول دیا۔ اور عام جنگ

شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ شمع نبوت کے پروانوں اور عاشق نبی کے دیوانوں نے جی کھول کر دادِ شجاعت دی۔ شیر خدا کرم اللہ وجہٗ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت زبیرؓ۔ اور حضرت ابو دجانہؓ کی شمشیر خارا شگاف نے وہ بے پناہ وار کئے کہ دشمن کے لشکر میں کہرام مچ گیا۔

بیشۂ نبوتؐ کے دو کمسن شیر، شمع مصطفویؐ کے دو دادۂ پروانے معاذ اور معوذ بھی میدانِ کارزار میں شمشیر بکف ابو جہل کی تلاش میں نظریں اِدھر اُدھر دوڑا رہے تھے۔ قریب ہی حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کھڑے تھے۔ دونوں نے دیوانہ وار بڑھ کر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے ابو جہل کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے اسلام کے کم سن مجاہدوں کو ابو جہل کے لڑکے کا مقام اور حلیہ وغیرہ بتایا۔ ابو جہل کا پتہ معلوم کر کے وہ دونوں کم سن مگر جواں ہمت مجاہد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ابو جہل کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں لڑتے بھڑتے اس نادی کے قریب پہنچ کر دونوں طرف سے گھیر لیا۔

اللہ! اللہ! ان نوجوان بچوں کا عزم و حوصلہ، صبر و استقامت، بہادری و شجاعت، سزاوارِ تحسین و آفرین ہے بنگامہ کارزار کی ہولناکیاں نظر کے سامنے ہیں۔ بڑے بڑے جنگ آزماؤں کے زہرے آب ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے پرغرور سر خاک و خون میں غلطاں ہیں لیکن وہ نشۂ شہادت میں سرشار، خالق کائنات کے پرستار اور عشق مصطفیٰؐ کے گرفتار ان صبر آزما مصیبتوں اور حوصلہ شکن تباہ کاریوں سے بے نیاز استقامت اور شجاعت کے پہاڑ بن کر میدانِ وغا میں ڈٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ حبیب کردگار کے اس دشمن بد کردار کو فی النار کر کے چھوڑیں گے۔ ان کی

معصوم تمنائیں بر آئیں۔ دونوں نے بیک وقت خدا کا نام لے کر اس پر حملہ کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یثرب کا پیاسا ریگزار اس کے خون سے تشنہ لبی بجھا رہا تھا۔ سردار کو قتل ہوتے دیکھ کر دشمن کے سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان بہادروں نے بھی اپنی تیغ کے جوہر بتائے۔ لیکن تابکے! دشمن کا گھیرا سخت ہو گیا تھا۔ آخرکار نوجوان غازی معاذؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ باپ کی ہلاکت کا نظارہ کر کے بیتاب ہو گیا۔ غیظ و غضب کے عالم میں آگے بڑھا اور پیچھے سے آ کر نونہال مجاہد معوذ پر تلوار کا وار کیا وار کاری تھا۔ بازو کٹ کر شانے کے ساتھ لٹک گیا۔ صرف تسمہ لگا رہ گیا۔ زخم خوردہ شیر تڑپا اور انتہائی جرأت و دلیری کے ساتھ عکرمہ کی طرف لپک پڑا۔ عکرمہ نے جب اس بپھرے ہوئے شیر کے ہلاکت آفریں تیور دیکھے تو گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ نوجوان مجاہد اسی لٹکتے ہوئے بازو کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگا۔ مگر وہ بازو رہ رہ کر تلوار چلانے میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ چنانچہ اس پیکرِ صبر و استقلال اور مجسمۂ شجاعت و بسالت نے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا۔ بازو تن سے جدا ہو گیا۔ اب ایک ہی بازو سے دینِ حق کا نوجوان پرستار میدان کارزار میں تیغ زنی کرنے لگا۔ اللہ اللہ! اس نوجوان مجاہد کا صبر و استقامت، بہادری و دلیری کا بے انتہا جذبہ اور شہادت کا بے پناہ ذوق و شوق قیامت تک آنے والے نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

ابو جہل کے قتل کے بعد لشکر کفار میں بزدلی پھیل گئی لیکن ایک سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس کے حلیف تھے۔ وہ اسے مسلمانوں کی نظر بچا کر نکال دینا چاہتے تھے۔ حضرت بلالؓ نے جو کافی عرصہ اس کے ظلم و ستم کا نشانہ رہ چکے تھے دیکھ لیا۔ انہوں نے انصار کو خبر کی۔ وہ

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

عید رمضان

پروفیسر محمد طاہر فاروقی ایم۔ اے۔ ڈاکٹر ادب لیکچرار اردو اسلامیہ کالج پشاور

ہر قوم اپنے تیوہاروں پر جشن مناتی ہے اور گلچھرے اڑاتی ہے۔ مسلمانوں کے بھی تیوہار ہوتے ہیں اور مسلمان بھی ان مواقع پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن غور کیجئے تو مسلمانوں کے تیوہار اور تمام اقوام سے مختلف نوعیت رکھتے ہیں۔ یوں تو مسلمانوں کے لئے ہر ہفتہ میں ایک دن "عید کا دن" ہے "الجمعۃ عید المسلمین" فرمان رسالت ہے۔ ہر جمعہ کو مسلمان اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر خدا کے دربار میں اجتماعی طور پر عبودیت کا اظہار کرتا اور خوشی مناتا ہے۔ لیکن اس ہفتہ وار عید سے بڑھ کر مذہب نے ہمارے لئے دو بڑی عیدیں بھی مقرر کی ہیں۔ عید الفطر اور عید الضحیٰ۔ یہی ہمارے قومی اور مذہبی تیوہار ہیں۔ اکثر قومیں اپنے تیوہاروں میں طرح طرح کے فسق و فجور روا رکھتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے تیوہار بھی عبادت ہوتے ہیں۔ ان موقعوں پر مسلمان اپنے سچے مذہب کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے دوسروں کے سامنے اپنے کردار کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ عید آتی ہے تو ہر مسلمان خوش و خرم ہوتا ہے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور خوشبوئیں لگائے ہوئے وہ دید باز دید کے لئے ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں اور آپس میں گلے مل کر اسلامی محبت اور مواخات کے منظر دکھاتے ہیں۔ خورد و نوش، حرکات و سکنات، رفتار و گفتار میں کوئی ایسی بات نہیں جو مذہبی، اخلاقی یا معاشرتی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ قرار پائے۔ مسلمانوں کو عید کے دن مسرت ہوتی ہے کہ وہ رمضان شریف کے مبارک مہینہ کے پورے تیس روزے رکھ کر اسلام کے تیسرے بڑے رکن کا فرض ادا کر سکے۔ پیسے والے مسلمان اس خوشی کے موقع پر اپنے نادار بھائیوں کو نہیں بھولتے۔ ان کو حکم ہے کہ وہ صدقۂ فطر ادا کریں جس کا مقصد جہاں یہ ہے کہ ہم اپنی کمائی کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں صرف کریں وہاں اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ ہمارے غریب بھائی بھی اس پُر مسرت تیوہار پر خوشیاں منانے میں ہمارے شریک ہو سکیں۔ اور ان کی ناداری ان کے لئے رنج اور حسرت کا سبب نہ بنے۔

رمضان شریف کا مہینہ مبارک زمانہ ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا ہے۔ یعنی عالم اسلام ہی نہیں تمام عالم انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات انعام خداوندی کے طور پر جس مہینہ میں نازل ہوا وہ یہی رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ہم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ روزہ دراصل ضبط نفس اور احتساب کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ جسمانی طور پر بھی اور روحانی اعتبار سے بھی صرف یہ ہی نہیں کہ روزہ ہمیں نفس کشی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس طرح ہم دوسروں کی مشکلات کا صحیح احساس پیدا کرتے ہیں اور ہم میں تزکیۂ نفس اور جفاکشی کے ساتھ ساتھ خلوص، ایثار، خدمت اور امداد باہمی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اسی لئے تو ہم عید کی صبح کو اس انعام پر اپنی عبودیت کے اظہار کے لئے بارگاہِ خداوندی میں سر نیاز خم کرتے ہیں۔ اور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔

عہد رسالت کے چار بعد اہم واقعات رمضان اور شوال

کے مہینوں میں پیش آئے ہیں۔ جن میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے کبھی نہ بھولنے والے اسباق پوشیدہ ہیں۔

غزوۂ بدر رمضان میں ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم کے مدینہ شریف آجانے کے بعد ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ حق و باطل کی یہ پہلی سب سے بڑی جنگ تھی۔ کفر اور اسلام اس وقت ٹکرائے تھے اور اس زور سے ٹکرائے تھے کہ خود سرکارِ دو عالم نے یہ دعا فرمائی تھی "اے خدا! اپنا وعدہ پورا کر۔ آج اگر یہ چند مسلمان مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا" باطل کی ایک ہزار فوج ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ تھی حق کا علم بلند کرنے والے صرف تین سو تیرہ مجاہدوں سے مقابلہ تھا۔ جن میں کسی کے پاس بھی پورے ہتھیار نہ تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ باطل کے تمام بڑے بڑے ستون ٹوٹ گئے۔ اور حق کا جھنڈا سر بلند ہوا مسلمانوں کو یہ شاندار فتح اس لئے نصیب ہوئی کہ ان علم بردارانِ اسلام کے دل اطاعت خدا اور رسولؐ کے پُرخلوص جذبے سے سرشار تھے۔ ان میں ہمت۔ شجاعت۔ سچائی۔ ایثار، بے غرضی اور حقانیت تھی۔

اب غزوۂ احد کو دیکھئے۔ یہ شوال میں ہوا۔ پانچ ہزار باقاعدہ مسلح فوج کے مقابلے میں صرف ایک ہزار مسلمان تھے۔ جن کا ساز و سامان کفار کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ باطل حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے کفار نے یہاں بھی شکست کھائی۔ لیکن ایک ذرا سی لغزش نے جنگ کا نقشہ بدل دیا سرکارِ دو عالم نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو ایک درے کی حفاظت پر متعین فرما دیا تھا۔ اور تاکید کی تھی کہ ہرگز مورچہ نہ چھوڑنا۔ وہ فتح ہوتی دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ چنانچہ رنگ بدل گیا۔ اور مسلمانوں نے کافی نقصان اٹھایا۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل میں اپنی غرض یا اپنی رائے شامل کر دی گئی تھی۔ اور جنگِ بدر پُرخلوص عمل اور جذبۂ ایثار کار فرما تھا۔

اسی طرح دو اور مثالیں دیکھئے۔ فتح مکہ رمضان میں ہوئی۔ صلح حدیبیہ میں جو ہمارے معاہدے ہوئے تھے۔ اہلِ مکہ نے ان کی پیہم خلاف ورزی کی۔ تو آنحضرت صلعم کو مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی۔ تاکہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دے کر مظلوموں کی داد رسی کی جائے۔ لیکن فتح مکہ کی تفصیلات ہم کو بتاتی ہیں کہ رسول خداؐ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے میں کفار کا یہ سب سے بڑا اور سب سے طاقتور مرکز بالکل پُرامن طریقہ پر فتح کیا گیا تھا۔ کل تیرہ سپاہی لشکرِ کفار سے مارے گئے تھے۔ اور تمام ایسے خطاکار جن کی عمر اسلام دشمنی میں کٹی تھی اور کئی ایسے مجرم جو سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے ہر قانون کے ماتحت واجب القتل تھے معاف کر دیئے گئے تھے۔ فرمانِ رسالت تھا۔ "تم سب آزاد ہو۔ تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا" چنانچہ اہل مکہ کا جان اور مال سب قطعاً محفوظ رہا۔ کیا تاریخ عالم ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم کے اسوۂ حسنہ رحم و کرم اور عفو و جود کے واقعات سنکر دیکھتے دیکھتے تمام جزیرہ عرب حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

فتح مکہ کے مقابلے میں غزوۂ حنین پر غور کیجئے۔ یہ شوال کا مہینہ تھا۔ اسلامی فوج میں مکہ کے نو مسلم بھی تھے اور دو ہزار غیر مسلم بھی۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن کی تیر اندازی کے سامنے یہ لوگ نہ جم سکے۔ اور ان کے بھاگنے سے اسلامی لشکر میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ مگر دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار صلعم کے تدبر نے بھاگتوں کو روکا۔ اور ان کی ہمت بندھائی۔ چنانچہ کافروں کو شکست ہوئی۔ اور لاتعداد مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے عہدِ اسلام کا یہ زریں واقعہ اور رحمتِ دو عالم صلعم کے عفو و کرم

کی یہ عجیب مثال ہے کیونکہ دشمنان اسلام کے چھ ہزار سے زیادہ قیدی بغیر کسی سزا یا فدیہ کے رہا کر دیئے گئے تھے۔ اس جنگ کا دوسرا ایمان پرور واقعہ یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے آنحضرت صلعم نے زیادہ مال ان اہل مکہ کو دیا تھا جو تازہ اسلام لائے تھے تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو۔ انصار مدینہ اس مصلحت کو نہ پا سکے اور یہ بات ان کو ناگوار ہوئی اور ان میں سے بعض نے کہا کہ "رسول خدا صلعم نے سب مال قریش کو دیا۔ حالانکہ ابھی تک ہماری تلواریں ان کے خون سے رنگین ہیں۔" آنحضرت صلعم نے سنا تو انصار کو بلا کر دریافت فرمایا۔ انہوں نے اقبال کیا۔ کہ بعض نوجوانوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ آنحضرت صلعم نے ایک طویل تقریر فرمائی۔ اوّل ان احسانات کا ذکر فرمایا جو اسلام نے انصار پر کئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم بھی جواب میں اپنی امداد و اعانت گن کر کہہ سکتے ہو۔ کہ ہم نے بھی آپ کی اس طرح مدد کی۔ لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے گھر لے جاؤ۔" انصار یہ سن کر اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور انہوں نے کہا "ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہیں۔" پھر آپ نے ان کو سمجھایا کہ میں نے ان کو تالیفِ قلوب کے طور پر اسی قدر مال دیا ہے۔

رمضان و شوال کے مہینوں میں عہدِ رسالتؐ اور عہدِ خلافت کے ایسے واقعات بھی بہت ہیں جو ہمارے لئے ضابطۂ اخلاق بنانے میں اثر انداز ہوئے لیکن انہیں غزوات پر غور کرنے سے ہم کو جو سبق حاصل ہوتے ہیں وہ ہماری عملی زندگی کے لئے زریں دستور العمل ہیں۔ باطل ہمیشہ حق سے ٹکراتا رہا ہے۔ اور ٹکراتا رہے گا۔ لیکن اگر حق کے نام لیوا اپنے دلوں میں ایمان اور یقین رکھتے ہیں اور ان کے اعمال میں خلوص اور جوش کار فرما ہے تو آج بھی ان کے لئے انعام خداوندی غزوہ بدر اور فتح مکہ جیسے شاندار نتائج پیش کرنے کو آمادہ ہے

مردِ مومن کی اولوالعزمی، سرفروشی اور حقانیت تقدیرات الٰہی کو بدل سکتی ہے۔ لیکن اس وقت جب اس کے کردار میں بے غرضی، سچائی اور خلوص ہو۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ رمضان نے ہم کو احتساب کا سبق سکھایا ہے ضبط نفس اور احتساب کی اس روزانہ مشق کے بعد عید کے دن ہم کو یہ احتساب کرنا ہے کہ اس مبارک مہینہ میں ہم نے خدا اور رسولؐ کے احکام پر کس حد تک عمل کیا۔ اگر ہم اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ تو عید کا دن ہمارے لئے واقعی عید کا دن ہے۔ ورنہ تو محض ہجوم اور شور ہے۔ ایک ہنگامہ ہو تو ہو۔ اسلامی شعار اور شکوہ ملت و دین ہرگز نہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں، ہجومِ مومنیں

حکیم الامت کے قول پر غور کیجئے اور سوچئے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ خدا کے فضل سے آج ہم ایک آزاد قوم کے آزاد فرد ہیں۔ لیکن ہماری عید "ہجوم مومنیں" سے زیادہ نہیں۔ ہماری عبادتیں اور ہمارے معاملات مذہب کی روح سے خالی نظر آتے ہیں۔ پاکستان، وہ پاکستان جسے لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خون سے سیراب کیا ہے۔ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ ہم اس سے ناواقف ہیں۔ قوم کی اقتصادی بدحالی، عام جہالت اور اخلاقی پستی ہماری فوری توجہ اور پرجوش عمل کی محتاج ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ ہم کو احساس بھی نہیں۔ کیا ہم مذہب کے احترام اور خدا رسول کی اطاعت کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟ کیا ہم میں اتحاد، اخوت، ہمدردی اور مساوات کا وہی جذبہ پایا جاتا ہے۔ جس کی اسلام نے ہم کو تعلیم دی؟ کیا ہمارے اندر ایثار، استقلال ہمت اور اولوالعزمی کا وہی مادہ موجود ہے جو ہمارے اسلاف

میں پایا جاتا تھا؟ جب تک یہ سب نہیں۔ اس وقت تک ہماری عید" شکوہِ ملک و دین" کیسے ہو سکتی ہے۔

علامہ اقبال بظاہر ہلال عید سے لیکن دراصل ہم سے کہتے ہیں۔

بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ہم میں صحیح احساس اور سچا جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر ہم ہمت اور استقلال کو کام میں لائیں تو ہماری عید عیش کی تمہید اور شکوہِ ملک و دین بن جائے اور ہم اقبال کی زبان میں ہلال عید سے کہہ سکیں۔

تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کو بھی اس موقعہ پر نہ بھولیں۔ آپ نے بنائے پاکستان کے قبل کے پیغامات عید میں فرمایا تھا۔

ماہ رمضان روزہ، نماز اور عبادت کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں مسلمانوں کو تنظیم اور تزکیۂ روحانی کا سبق ملتا ہے یہ مہینہ آپ کو بتاتا ہے کہ آپ خود کو فرائض کی ادائیگی کی راہ میں سخت ترین امتحان اور صعوبتیں جھیلنے کے قابل بنائیں آپ ایک ماہ تک تنظیم کی سختی اور اصولوں کی پابندی کے مراحل طے کر چکے۔ تب عید الفطر کا دن آیا ہے۔ خوشی اور دائمی خوشی کا دن۔ یہ وہ مسرت ہے جو آپ کو ادائیگی فرض کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ اس سے آپ کو سبق ملتا ہے کہ سچی خوشی وہی ہے جو ادائیگی فرض کے بعد حاصل ہوتی ہے عید الفطر حقیقتاً اتحاد، قوت اور اقتصادی مساوات کی نشانی ہے۔ آیئے ہم اس محترم اور مبارک موقعہ پر پختہ عزم کریں۔ کہ اسلامی اصول اور اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کے موجودہ اور آئندہ نظام میں اپنے لئے اپنے شایانِ شان مقام پیدا کر سکیں گے"

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء کی عید الفطر پر قائد اعظم نے جو پیغام ہم کو دیا تھا۔ وہ آج بھی اپنی اہمیت کے اعتبار سے ہمارا نصب العین رہنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں اس خوشی اور مسرت کے موقعہ پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ وہ سچی خوشی کے ساتھ اس روز سعید کو گذاریں۔ ہم پاکستانیوں کے لئے پچھلی عید جو قیام پاکستان کے فوراً بعد آئی تھی اس کی تمام مسرتیں اس آگ اور خون کے طوفان کی نذر ہو گئیں جس کا ہمیں تقسیم ملک کے فوراً بعد سامنا کرنا پڑا تھا۔ پچھلے بارہ ماہ کی تاریخ ایک مسلسل جد و جہد کی داستان ہے ہم نے اپنے تمام وسائل کی بازی لگا دی تھی۔ ہمیں اندیشہ تھا کہ کہیں یہ وسائل ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دیں۔ لیکن ہمارے عزم و استقلال نے سخت طوفانوں کا منہ موڑ دیا۔ کنارہ اگرچہ دور ہے لیکن سامنے نظر آرہا ہے"۔ اسی پیغام میں آگے چل کر آپ نے فرمایا "اگر ہم اندرونی اور ذاتی اختلافات میں پھنس کر اپنی توانائیوں کو ضائع نہ ہونے دیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ ہمارا مستقبل روشن اور شاندار ہے۔ ہمیں اتفاق و اتحاد اور ضبط و نظم کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم صرف اتحاد، تنظیم اور یقین محکم ہی کے سہارے ایسا پاکستان تعمیر کر سکتے ہیں جو آج تک ہمارے تصورات ہی میں کروٹیں لے رہا ہے۔ مسلمانوں پر روزہ اسی لئے فرض کیا گیا تھا کہ ان میں ضبط و نظم اور خود اعتمادی پیدا ہو۔ یہ صفات ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اسی میں ہماری قوم کی بقا اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔"

بقیہ جہاد و بدر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے حضرت عبد الرحمٰن نے اسے بچانے کی کوشش کی لیکن حضرت بلال کی فریاد کے مقابلہ میں صحابہ نے ان کی پرواہ نہ کی۔ اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔ امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس طرح سب سے پہلے معرکہ حق و باطل میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

ترک اللہ یعنی حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی مرحوم پشاور

آج سے سات سو برس پہلے ہندوستان کے ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ پٹیالی میں جسے مومن آباد بھی کہتے ہیں ایک ترک خاندان آکر آباد ہوا جس کے ایک امیر سیف الدین ترک کے یہاں ۶۵۱ھ میں ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام ابوالحسن رکھا گیا یہی ابوالحسن بعد میں امیر خسرو کے لقب سے ملقب ہوا اسی زمانے میں وہاں ایک ولی کامل مجذوب حال رہا کرتے تھے۔ خسرو کے والد ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے۔ وہ واقف اسرار بچے کو دیکھتے ہی یہ الفاظ اپنی زبان پر لایا۔" آوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرماکر اس کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں کہ قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد۔ یعنی خاقانی صرف قصائد میں استاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔ میں اس مختصر مضمون میں صرف حضرت خسرو کے مختصر حالات اور ان کا حضرت سلطان المشائخ سے لگاؤ اور ان کی غزل گوئی کے متعلق کچھ عرض کرونگا۔ حضرت امیر خسرو کو جو جامعیت کے مبدء فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی بخشش کسی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی ادبی دنیا میں تو ان کی ذات گرامی پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے اگر ان کو عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ مورخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد اور شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعراء غرض ان کے ہر کمال کا پہلو نہایت وسیع اور شاندار ہے۔ اگرچہ یہ تیسرے دور کے شعراء میں سے ہیں۔ لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دور کے محاسن ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ سادگی و استواری جو صفت اول کے شعراء کے کلام کا خاصہ ہیں ان کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ لطافت و رنگینی جو دور ثانی کے شعراء کا ہنر ہے اس آرائش سے بھی کلام خسرو میں بہ تمام وکمال مرصع و مزین ہے۔ تصوف کے اہم مسائل کو جس صفائی اور روانی سے اس نے بیان کیا ہے اس سے قطع نظر شاعری زور کلام و حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہے۔ ایسے شعراء جو خود صاحب حال نہیں ہوتے اور صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لے کر اپنے اشعار میں نظم کر دیتے ہیں اہل دل گروہ اسے خوب پہچانتا ہے کہ یہ قال ہے حال نہیں جیسے مولانا رومی فرماتے ہیں۔

لفظ درویشاں بدزدد مرد دوں
تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

لیکن خسرو جہاں کہیں مسائل تصوف بیان فرماتے ہیں وہ ان کی حالت کا آئینہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ حضرت سلطان المشائخ جناب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الہیٰؒ کی نظر فیض کا اثر ہے حضرت خسرو کے والد امیر سیف الدین اور نانا عماد الملک چونکہ

حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں تھے اس لئے انہوں نے امیر خسروؒ کو بھی جن کی عمر اس وقت ۸-۱۰ سال تھی اپنے پیر شیخ طریقت کی خدمت میں پیش کر کے مرید کرا دیا۔ جس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ ؎

مفتخر از دے بہ غلامی منم
خواجہ نظام است نظامی منم

حضرت سلطان المشائخؒ کی غلامی کا مجھے فخر حاصل ہے میرے خواجہ نظام ہیں اور میں نظامی ہوں۔ سیر الاولیاء کے مصنف فرماتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسروؒ شعر کہتے تھے تو اس کو اپنے شیخ کو دکھاتے تھے ایک روز حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ "طرز صفاہانیاں بگو" یعنی عشق انگیز و زلف و خال کی طرز۔ بس پھر کیا تھا ارشاد ہوتے ہی اسی روز سے خسروؒ زلف و خال کے ایسے پھندے میں پھنسے کہ تمام عمر کے لئے ماسوی اللہ سے بیزار ہو گئے اور آج تک ان کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کرتا ہے ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہے جہاں سے چاہو اٹھا کے دیکھ لو۔ جس کی مثال میں یہاں چند اشعار پیش کرتا ہوں ؎

بروائے یار پیش دیگراں وہ جلوہ بستاں را
مرا بگذار تا سے بینم آن سرو خراماں را
گرفتار خیالات بتش گشتم یقین باشد
اثر ہر کہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
عجب پرس از من کہ چوں مے باشد آخر جان غمناک
کہ من دیریست کز یادش فرامش کردم جہاں را

٭ ٭ ٭

تن پاکت کہ زیر پیرہن است
وحدہٗ لا شریک کہ چہ تن است
اندر آ در میان جان بنشیں
کہ تو جانی و جسمِ ما بدن است

نازیم در غم تو جامہ درم
ور نیست مرگ نوبت کفن است
دل خسرو خوش است با تنگی
کہ مرا یادگار از اں دہن است

اس درد انگیزی کی وجہ صاف ہے۔ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد ان کو اہل دل گروہ سے واسطہ تھا۔ دن کے وقت دربار تھا تو رات خانقاہ نظامیہ میں اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں بسر ہوتی تھی وہ خانقاہ جس نے حضرت سید محمد امام حضرت سید رفیع الدین ہارون حضرت سید حسین کرمانیؒ حضرت حسن علی سنجری جیسے درویش اور عاشقان الٰہی پیدا کئے وہاں درد محبت اور سوز عشق کی کیا کمی ہو سکتی ہے ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور ان چاروں سے ماوراء جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی۔ اور انہیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی دل خستہ تھا اور آتش عشق سے رشتہ زبان صرف دل کی ترجمانی کرتی تھی۔ اور بس۔ خسرو دل کی جلن اور برگشتی کچھ ازل سے لے کر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے کچھ اور بھی بھڑکا دیا ؎

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

رفتہ رفتہ امیر خسروؒ کو اپنے شیخ طریقت سے ایک ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک زبان زد خاص و عام ہے وہ نہ صرف ایک بے مثل ادیب و شاعر تھے بلکہ سلطان غیاث الدین بلبن کے درباری ہونے کے سبب وہ امیر و کبیر بھی تھے لیکن اس کے باوجود بھی خلوت میں اپنے شیخ کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے تو جلوت میں خوش الحان قوال بن کر مرشد کو اپنی غزلیں سناتے۔ اور جو شعر حضرت سلطان المشائخؒ کو پسند آتا اسے بار بار گاتے اور اپنے کمالات شاعری کو اپنے شیخ کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے مرشد نے بھی ان کی شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کئے ہیں ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست
ملک است کہ ملک سخن خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

امیر خسرو پر بھی حضرت کی بیعت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا (بیان ہے) کہ چالیس برس تک صائم الدہر رہے اور محبوب الٰہی کے فیض سے عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہوئی کہ جب لباس زیب تن کرتے تو سینہ کے اوپر کا کپڑا جل جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ خود فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے ہو تو میں خسرو کو پیش کر دونگا۔ اکثر دعا میں یوں فرماتے تھے الٰہی سوز سینہ ایں ترک مرا بخش اور اس کا اشارہ حضرت امیر خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیا مالا مال تھا۔ اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے ترک میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آ جاتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا۔ حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

گر برائے ترک ترکم ارہ بر تارک نہند
ترک تارک گیرم و امانہ گیرم ترک ترک

سبحان اللہ دربار شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے بھی خطاب ہوتا۔ خسرو کو اس خطاب پر ناز تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ بگیرد ہم بہ نقش سپار

* * *

یہ چند کلمات طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جو فطرتاً آتش عشق دل میں لیے رکھتا ہو۔ اب ایسا کامل و اکمل شیخ طریقت مل جائے اور شیخ کی محبت و شفقت بھی اس پر ایسی ہو کہ وہ مرید کے مرتبے سے مراد کے درجے پر پہنچ جائے تو اس کے مقامات سلوک و تصوف کا کیا پوچھنا اور اس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔ اس پر حضرت کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اس آتش کی شعلہ افشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلا کر خاکستر کر دیتی ؎

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا
بتاراج اسیران زلف تو عیارگی دارد
بہ خوں ریز غریباں چشم تو عیارہ تر بادا
گر اے زاہد دعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
کہ ایں آوارہ کوئے بتاں آوارہ تر بادا
دل من پارہ گشت از غم نہ زاں گونہ کہ بہ گردد
اگر جاناں بدیں شاد است یارب پارہ تر بادا
چوں با تر دامنی خوں کردن خسرو با دو چشم تر
بآب چشم مژگاں دامنش ہموار تر بادا

* * *

اہل دل کی باتیں عجیب ہوتی ہیں جنہیں اہل دل سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری اور چند دوسرے تذکروں میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ شہنشاہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی قوال نے امیر خسرو کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولانا علی احمد مہر کن المتخلص بہ نشانی اسی وقت وجد و رقص میں آئے جہانگیر نے اس کا مطلب پوچھا۔ مولانا اسی حالت وجد میں جہانگیر کے قریب گئے اور کہا کہ اہل ہنود اپنے کسی تیوہار کے موقع پر جوق در جوق بنہایت شان [illegible] دریا کے کنارے جمع ہو

ہو کر اپنے رسم و رواج کے مطابق مصروف عبادت تھے کہ حضرت سلطان المشائخؒ بھی مع امیر خسروؒ کے اس طرف سے گذرے ان لوگوں کے اس تشغف مذہبی وانہماک عبادت کو دیکھ کر حضرت نے امیر خسروؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

اس وقت حضرت سلطان المشائخؒ کے سر پہ ٹوپی "اتفاقاً" کج رکھی ہوئی تھی۔ خسروؒ نے فوراً دوسرا مصرعہ ؎

من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

عرض کر کے شعر پورا کر دیا۔ مولانا علی احمد روایت ختم کر کے چاہتے تھے کہ اپنے سر پہ ہاتھ لے جائیں تا کہ اپنی ٹوپی کو اسی طرح کج کر کے دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخؒ کی کج تھی۔ لیکن ہاتھ کا اٹھانا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ ایک نعرہ کے ساتھ جان بحق تسلیم ہو گئے۔

اسی سیر الاولیاء میں کسی دوسری جگہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امیر خسروؒ سلطان جیؒ کی خدمت میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جب یہ شعر پڑھا ؎

رخ چہ نما مود مرا گفت تو مبین

زین ذوق ست دبے جرم کیں سختی چہ بود

حضرت سلطان المشائخؒ نے گوشہ چشم سے دیکھا اور بیخود ہو گئے۔ الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں امیر خسروؒ کا کلام کیا مرتبہ اور مقام رکھتا ہے۔

⁂

اگرچہ غزل گوئی میں خسروؒ بہت حد تک سعدیؒ کے مقلد اور پیرو کار ہیں لیکن اس صنف میں ایسے اضافہ ہیں جو خاص خسروؒ کے دماغ کی پیداوار ہیں۔ جنکی ندرت ہے۔ بحران کی موزونی۔ تشبیہات و محاورات کی جدت اور بیان کا عجیب اسلوب یہ وہ چیزیں ہیں جس سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل گو کا کمال یہ ہے کہ حد درد سوز و گداز شگفتگی و نیاز عشق کی ہنگامہ آرائی حسن کی دلکشی و رعنائی۔ اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو۔ جس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ البتہ اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق پر رحم آ جائے غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہے اس جگہ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ معشوق جس کو اپنے بناؤ سنگھار کے سوا کسی سے غرض نہیں ہوتی اس کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حال بلبل چیست

او ہمیں کار رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گذر جاتا ہے عاشق کے دل پر ایک بجلی سی گر جاتی ہے اب نہ طبیعت پہ قابو ہے نہ دل پر اختیار۔ استغاثہ کرتا ہے تو دار القضاء یا دار الافتاء کوئی بھی اس کی دادرسی نہیں کرتا۔ اس مضمون کو دیکھیں ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد

شہر اسلام مرا داد نہ بود داد

⁂

معشوق کی ہر ادائے اول پیغام ہے عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے اور کس کس کے منہ آئے بھاگنا چاہے تو نا ممکن کہ کہیں پناہ ملے آخر بیچارہ گھبرا کر اسی سے تدبیر پوچھتا ہے ؎

لب و دہان و درخت ہر یکے بلائے دل اند

یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

عشاق کے دل کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر اس کے جوش طغیانی کا یہ عالم ہے کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا۔ لیکن خسروؒ نے جس انداز سے یہ مضمون ادا کیا ہے اپنی جدت میں آج تک بنا ہے اور یہ اسی کا حصہ ہے ؎

بیرون دگر یہ مے آید مرا ⁂ صبر کن چندان کہ باران بگذرد

اس شعر کی جامعیت اور جدت قابل غور ہے معشوق جانا چاہتا ہے اس لیے لازمۂ معشوقیت یہی ہے عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو پھوٹ پڑتے ہیں اب معشوق سے کہتا ہے کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار ہی لیکن ذرا صبر کر پانی ختم جائے تو چلے جانا لطف یہ کہ اس پانی کی علت ہی معشوق کا جانا ہے۔ ذرا غور فرمایئے اس چھوٹے سے شعر میں کیسے مضامین ہیں گویا سمندر کوزہ میں بند کر دیا ہے اگر ہم صفحے کے صفحے لکھ جائیں تو خسرو کے اس چھوٹے سے شعر کا سا لطف کہاں!

مختصر یہ کہ غزلیات میں ان کا نعرۂ مستانہ دل ہلا دیتا ہے اور کہیں کہیں تو ان کی نمکینی سعدیؒ کی شیرینی پہ چشمک زن ہے اپنی غنا اپنی مایوسی اپنا انتظار اپنی بے قراری کی جو تصویریں انہوں نے اپنے اشعار میں کھینچی ہیں گویا وہ جیتی جاگتی اور چہکتی چہچہاتی بلبلیں ہیں جو اپنے دکھ بھرے نالوں سے انسان کے دل ہلا دیتی ہیں۔ چند ایک غزلوں کے منتخب اشعار نقل کر کے ہدیہ قارئین کیئے جاتے ہیں ؎

آرام رفت از جان من آرام جان من کجا
ہجرم نشان فتنہ شد فتنہ نشان من کجب
آمد بہار مشک دم سنبل رسید و لالہ ہم
سبزہ بہ صحرا از دو قدم سرو روان من کجا
ہر دم جگر در سوز تاب از دیدہ ریزم خون ناب
اینک مے و اینک کباب آن میہمان من کجا

⁂ ⁂ ⁂

گل نو رسید و بوئے ز بہار من نیامد
چہ کنم نسیم گل را چوں ز یار من نیامد
اگر اے حریف داری نفسے بوئے یارے
تو بہار خویش سر کن کہ بہار من نیامد
بہ شب نشاط یارا چہ بر تو راہ خسرو
کہ بجانب تو روزے شب تار من نیامد

⁂ ⁂ ⁂

ایک دو نمونے نام عاشقانہ ہیں جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات و مستی و بیخودی کی باتیں ہیں گویا یہ بھی معاملاتی ہیں۔

ساقیا مے دہ کہ امروزم سر دیوانگیست
دور بر گرداں کہ مرگم از تہی پیمانگیست
من بو غیبت جان دہم تو رحمت آری بر تنم
این عنایت در میان دوستاں بیگانگیست
شمع شیرینی چنداست او بسوزد باک نیست
لذت از آتش گرفتن مذہب پروانگیست

⁂ ⁂ ⁂

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائے کیستی
لالہ گرا و دلبرا عشوہ نمائے کیستی
سینہ شدہ جائے تو دیدہ بزیر پائے تو
با ہمہ در ہوائے تو تو بہ ہوائے کیستی
خسرو خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن
طوطی شکریں من نغمہ سرائے کیستی

⁂ ⁂ ⁂

شوخی و ظرافت پہ آ جاتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلاتے ہیں۔ طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسن بیان منہ چومنے کو آئے

؎ تو شبانہ مے غائی بہ برے کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مست اثر خمار دارد

؎ ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

⁂ ⁂ ⁂

مست آمدہ بازم بہ میہمان کہ بودی
دانم شکری کہ در شکرستان کہ بودی

اے یار جدا ماندہ دل تنگ کہ جستی
اے یوسف گم گشتہ بہ زندان کہ بودی

مے دوش کجا خوردی وساغر بہ کہ دادی
در ظلمتِ شب چشمہ حیوان کہ بودی

آراستہ دست درآغوش کہ خفتی
ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

⁂

چھوٹی بحروں میں جب شعر کہتے ہیں تو کوثر و تسنیم کی موجوں اور آبجیات کی لہروں کا مزہ آجاتا ہے مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہو ؂

دیوانہ شدم در آرزویت
اے چشم ہمہ جہان بسویت

مائیم و تحیر و خموشی
و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

پرسی کے جگونہ زمش دور
دور از تو چہ پرسیم چو مویت

خسرو بکمند تو امیر است
بیچارہ کجا رود ز کویت

بیچارہ کجا رود ز کویت کا مزا بیان سے باہر ہے ایک اہل دل ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اگر غزل گو شعراء کی فہرست مرتب کی جائے تو صرف ان کے ناموں کی ایک بہت بڑی اور ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں غزل گوئی کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطہ نظر سے فہرست بنائی جائے تو بجز چند ایک ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جس میں استادِ غزل سعدی اور ان کے بعد خسرو اور پھر حسن دہلوی کا نام آئے گا۔ سعدی نے جس اصول پر غزل کی بنیاد قائم کی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ حقائق و معارف کی چاشنی بھی اس میں شامل تھی۔ اس لئے خسرو اور حسن دہلوی کے علاوہ کوئی دوسرا شاعر اس کے تتبع میں کامیاب ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو ان دونوں میں خسرو کو مرتبہ اولیت حاصل ہے۔ خسرو کی غزلوں کی مختصر تنقید صرف اتنی ہے کہ وہی بادۂ شیراز جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہے۔

معذرت

ہم اپنے قارئین سے نہایت ہی ادب سے معذرت چاہتے ہیں کہ پچھلے تقریباً دو ماہ سے رسالہ اگرچہ شائع تو ہوتا رہا مگر اسمیں تاخیر ہوئی۔ اس کی بڑی اور اہم وجہ یہ تھی کہ مجھے جناب برادر اکبر جناب سید نور احمد شاہ صاحب بی۔اے' ایل ایل بی کی اچانک بیماری اور پھر وفات نے انتہائی پریشان اور مصروف کر دیا تھا۔

اُمید ہے کہ قارئین کرام میرے اس عذر کو قبول فرمادینگے انشاءاللہ اگلے شمارے باقاعدہ ترتیب اور وقت پر حاضر ہوتے رہیں گے۔

محمد امیر شاہ عفی عنہٗ

بدل اشتراک

سالانہ	۲۰/- روپے
ششماہی	۱۰/- ,,
قیمت فی پرچہ	ایک روپیہ

قطعات

سید شریف حسین صاحب

ہوں مست خم بادہ لنڈھا دے ساقی
میخانے میں ہے جتنی پلا دے ساقی
ہاں ساقیٔ کوثر کے کرم کا صدقہ
میخانے کا میخانہ لٹا دے ساقی

چاندنی صحن چمن داماں ساحل پہ بہار
اور افق کے اس طرف یہ ماہ کامل کا سماں
اختر و پروین کے یہ منظر قطار اندر قطار
چل کے نیچے آ گیا ہے آج شاید آسماں

شاکر بغدادی (مرحوم)

کیا چیز دم صبح پلا دی ساقی
سوئی ہوئی تقدیر جگا دی ساقی
جو تا بہ قیامت نہ بجھے گی ہرگز
وہ آگ میرے دل میں لگا دی ساقی

شکستہ ساز ہوں آواز کس طرح نکلے
میرے نفس میں سکوت دوام ہے اے دوست
الجھ رہا ہوں تصور میں زلف و عارض کے
یہی سحر ہے یہی میری شام ہے اے دوست

غزل

از
شہید الاسلام متہید

برق و باراں نے آکے گھیرا ہے
کس طرف جائیں اب اندھیرا ہے

رات سے بھی سیاہ جس کا رُخ
سوچتے ہیں یہ کب سویرا ہے

پھنس گئے ہیں مہیب صحرا میں
ہر قدم اپنا ہی لٹیرا ہے

کون سمجھے غریب انساں نے
کن مصائب سے دن کو پھیرا ہے

جگمگاتا ہے ریگ زارِ حیات
ذرّے ذرّے میں دل بکھیرا ہے

ہم نے گھیرا ہے فکرِ عالم کو
غمِ انساں نے ہم کو گھیرا ہے

ہے خزاں کا مقام یہ متہید
یا بہاروں کا کوئی ڈیرا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبا بحسنِ ادب گو تو غوثِ اعظم را
خدا سپرد بہ تو کارِ ہر دو عالم را

تو آں شہی کہ کنی رد قضائے مبرم را
بری زِ خاطرِ ناشاد محنت و غم را

شاہ محمد غوث صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمد اینڈ برادرس

پل پختہ پشاور شہر

سے طلب فرمائیے:

فون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

تار کا پتہ
تاج کو پشاور

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا = اور = فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں!